وصول علم رسالت بر اسکدار و ا

خلیفہ خاندان عبّاسیہ خلافت اور آثار رسا

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ستقبال خداوند کار کامگار
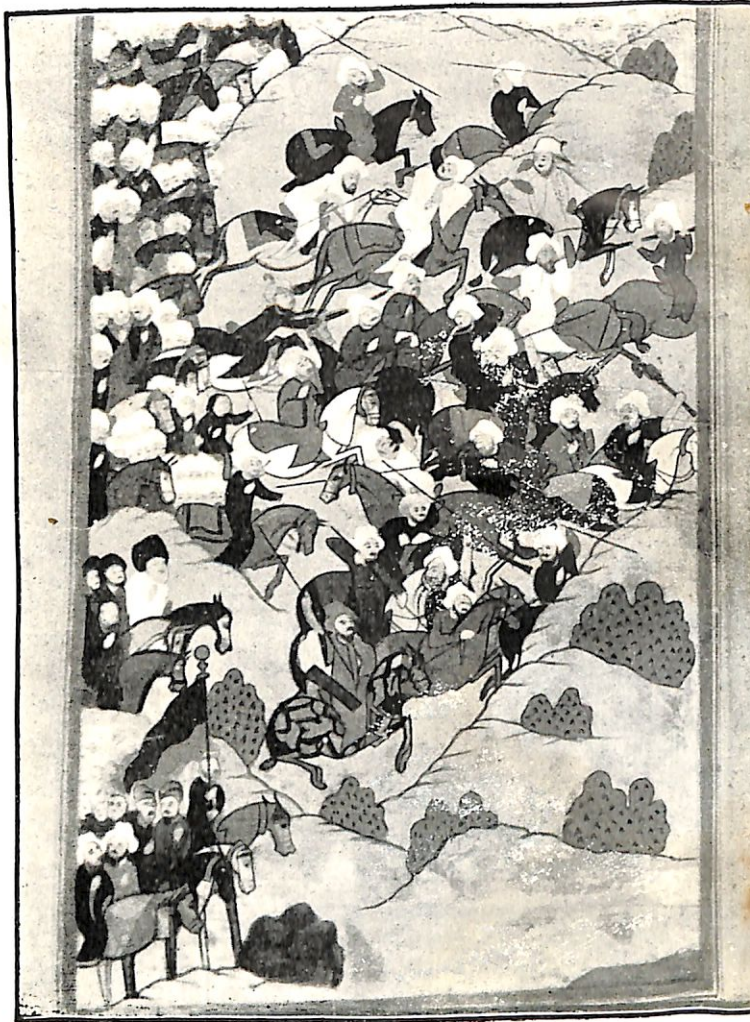
ل کا جائزہ سلطان ٹرکی کو دے رہے ہیں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

تمہید

اپریل ۱۹۱۵ء میں میں نے انگریزی رسالہ "الیسٹ اینڈ دِ ویسٹ" میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں خلافت کا تاریخی پہلو دکھایا گیا تھا۔ اُس وقت سے ابتک دنیا بہت کچھ بدل چکی ہے۔ خلافت کا مسئلہ آج کل اس قدر اہم اور وسعت پذیر ہوگیا ہے کہ اس نے یورپ کے اہلِ تدبیر کو متردد بنا دیا ہے۔ یہہ مسئلہ زمانہ حاضرہ کے اُن مسائل میں سے ہے جن کا گھر گھر چرچا ہے۔

اس رسالہ میں کسی غیر واجبی جوش وخروش کا اظہار نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس مسئلہ کا حل علمی طریقہ سے پیش کیا گیا ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ ایک بے لوث مورخ کی حیثیت سے تاریخی واقعات پیش کردیے جائیں۔ اصلاً میں نے اس رسالے کو انگریزی زبان میں لکھا تھا جو اس رسالہ سے ایک مہینہ قبل چھپکر تیار ہوچکا ہے۔ اس کو ابتداءً انگریزی زبان میں تصنیف کرنے سے میرا یہہ مقصد تھا کہ خلافت کے مسئلہ کی حقیقت کو غیر

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ملکوں کے اہل الرائے اشخاص کے سامنے رکھ دیا جائے۔ اس کے بعد بعض دوستوں کی یہ رائے ہوئی کہ اس کو ہندوستان کی عام فہم زبان " اردو" میں ترجمہ کر کے اپنے اہلِ وطن کو بھی اس کے مطالعہ کا موقع دیا جائے۔ اگرچہ میں اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے انگریزی رسالہ کا اردو ترجمہ خود نہ کر سکا۔ لیکن مجھے مسرّت ہے کہ بعض دوستوں کی مدد سے میں اون لوگوں کی جو اس کو اردو میں پڑھنا چاہتے تھے خواہش کے پورا کرنے میں آج کامیاب ہوا۔ امید ہے کہ میرے اہلِ وطن اس رسالہ کو شرفِ قبولیت عطا کرینگے۔ فقط۔

خاکسار

سید محمود

پٹنہ
۳۰ رجون ۱۹۲۱ء

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

دیباچہ

(از مسٹر مارماڈیوک پکتھال)

ڈاکٹر سید محمود کی اس قابل قدر تصنیف کو پیش کرتے ہوئے میں ہندوستان کے انگریزوں اس کی طرف خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ کو یقین ہے کہ جب ہندوستان کے انگریزوں کو ٹرکی کے متعلق اصل واقعات معلوم ہو جائیں گے تو وہ اس بارے میں ہندوستان کے احساسات اور جذبات سے بخوبی متاثر ہو سکینگے۔ اور جب وہ اس معاملہ میں اُن کے خیالات سے متحد ہو جائینگے تو یقیناً دوسرے معاملات میں بھی اُن سے ضرور ہمدردی کریں گے میری رائے میں مشرق اور مغرب میں مخالفت کا ایک خاص

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

بڑا سبب یہی ہے کہ وہ خیالات میں متحد نہیں - اور اس کی وجہ
اہل مغرب کا غرور ہے اور یہہ سبب بھی ہے کہ وہ ہندوستانیوں
کے نقطۂ خیال کی وقعت نہیں کرتے - اسلام ایسا مذہب
نہیں ہے جس میں دوسرے مذہبوں سے اچھی اچھی باتیں چن
لی گئی ہوں جیسا کہ آج کل مغرب کے تہذیب یافتہ لوگوں نے
مذہب عیسوی کو تیار رکھا ہے جس میں عبادت کا صرف ایک دن
مخصوص کر لیا گیا ہے اور اس طرح انسان کی روزمرہ کی زندگی
پر اس کا کچھ اثر نہیں ہے - مذہب اسلام حیات انسانی کا
مکمل قانون ہے اور تہذیب و شائستگی کا مخزن ہے جو ابھی تک
اپنے پورے عروج کو نہیں پہونچا ہے - اگرچہ قدیم زمانہ میں
مدینہ - بغداد اور قرطبہ کی تہذیب نہ صرف دولت - تکلفات
زندگی اور علم میں بلکہ زمانہ موجودہ کے خاص مسئلہ یعنی نوع
انسانی کے افراد کثیر کو ممکن درجہ تک راحت رسانی کے مسئلہ میں تمام دنیا کے تہذیب سے
سبقت لے گئی تھی - خدا کے قوانین جو یعنی نوع انسان پر
کلیتاً حکمراں ہیں اور وہ قوانین جن کی پابندی پر انسانی زندگی
کی اخلاقی ترقی مبنی ہے - سوا قران شریف کے اور کسی کتاب
میں صراحت کے ساتھ درج نہیں ہیں - اس لیے اسلام نے
دنیا کو معراج ترقی پر پہونچانے میں ایک خاص خدمت انجام
سکتا ہے لیکن اس خدمت کو عملی صورت اس وقت تک نہیں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

دی جا سکتی جب تک کہ اس کی عملی مثال پیش نہ کی جائے اور
مسلمان اسلامی ترقی کی مثال صرف "آزادی" میں قائم
کر سکتے ہیں۔ اسلامی تہذیب قوانین الٰہی پر مبنی ہے۔ خلیفہ اُس کا
دنیوی سردار ہے خواہ وہ اہلِ عرب ہو یا غیر اہلِ عرب یا خواہ
اُس کا دار الحکومت بغداد ہو۔ مدینہ ہو یا قسطنطنیہ۔ اور
اسلامی تہذیب اور ترقی کا مرکز مرکزِ خلافت کے ساتھ ساتھ
بدلتا رہا ہے۔ یورپ کے تمام فضلا اس بات کو تسلیم کرینگے کہ
مدینہ اور بغداد وہ دار الخلافتہ تھے جو دنیا کے لیے ہمیشہ
چشمۂ فیض بنے رہے لیکن استنبول کے متعلق اکثر اشخاص
یہہ رائے نہیں رکھتے۔ حالانکہ استنبول کی حالت بھی ویسی
ہی رہی ہے۔ کم سے کم اُس زمانہ میں جبکہ یورپ میں تعصب
کی آگ بھڑک رہی تھی اور غیر مذہب والے مذہبی اختلافات
کی وجہ سے لوگوں کو زندہ جلادیا کرتے تھے اُس صورت میں
استنبول ہی مظلوموں کے لیے جائے پناہ تھا۔ اس کے
علوم فنون کی صحیح قدر نہیں کی گئی اور اس کی روشن خیالی کو
اتبک سوائے چند نکتہ بیں اہلِ شرق کے اور کسی نے تسلیم نہیں
کیا۔ جو کچھ بھی ہو لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اُس نے عمداً دنیا
کے سامنے اسلامی ترقی کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش نہیں
کی اور اس کی یہ وجہ ہے کہ اتبک وہ عیسائیت کے حملوں کا

آماجگاہ بنا رہا۔ صرف چودہ سال ہوئے کہ ترکوں میں عظیم الشان بیداری کے آثار نمایاں ہوئے۔ اُنھوں نے اسلامی نقطہ نظر سے اپنی کمزوریوں کو محسوس کر لیا اور اُن کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یورپ کے پاس اُن کو نظر حقارت سے دیکھنے کے کچھ نہ کچھ وجوہ موجود ہیں۔ وہ یورپ سے دست مصالحت دراز کر کے آشتی و صلح کے طالب ہوئے اور اتنی مہلت چاہی کہ وہ خدا کی مدد سے اپنے ملک میں اور نیز اپنے طرز زندگی میں اصلاحات کر سکیں اور اسلامی ترقی کی ایسی مثال پیش کر دیں جس کی اہلِ یورپ بھی داد دیں۔ یہ اُن کی بربادی کا پیش خیمہ تھا۔ ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد جبکہ ترکوں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ یورپ کی مدد سے ترقی کریں گے اور اس خواہش کے پورا کرنے میں جو کچھ مشکلات اُن کو پیش آئیں اُس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے۔ ہر مسلمان اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ جب اس اسلامی سلطنت میں اصلاحات ہو رہی تھیں۔ عیسائی سلطنتوں نے اسے گوارا کیا۔ لیکن جب وہ بام ترقی پر پہنچنے کے قریب ہوئی اور اس میں سچا اسلامی جوش پیدا ہو گیا ہے۔ بہت سختی سے اس پر حملہ کیا گیا۔ اور اس کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ اس کا مطلب یہی کہ عیسائیوں کو اپنی جدید تہذیب پر ناز تھا اور اس لیے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو اتنا بھی موقع دیں کہ وہ دنیا
کو یہہ دکھا سکیں کہ اسلامی تہذیب کس قدر ارفع و اعلیٰ ہے
اور یہ بھی اندیشہ تھا کہ لوگ اُن کی تہذیب سے برگشتہ ہوکر
اسلامی تہذیب کی طرف مائل ہو جائیں گے۔
میں نے مسئلہ کے اس خاص پہلو پر اس لیے زیادہ بحث
کی ہے کہ یہہ مسئلہ میرے ذاتی مشاہدہ میں آیا ہے۔ اور
لائق مصنف نے بالتشریح اس بحث کو نہیں اُٹھایا ہے۔
اگرچہ کہیں کہیں اس کی طرف اشارہ ضرور کیا ہے۔ اس
مسئلہ کا صرف مذہبی پہلو اُن لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتا
جو مذہب کو حیات انسانی سے علیحدہ سمجھتے ہیں اور قوانین
الٰہی سے بالکل ناواقف ہیں۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اس
مسئلہ کا معاشرتی پہلو ہر ایسے شخص کو جس میں خودداری کا
ذرا بھی احساس ہے اپنی طرف متوجہ کریگا۔

مارماڈیوک پکتھال
کرانیکل آفس۔ بمبئی
۲۲ر مارچ ۱۹۲۱ء

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

مقدمہ

از مسٹر مظہر الحق صاحب - پٹنہ

عیسائیت نے اُس تیار شدہ فصل کو تباہ کر دیا جس کو ہم قدامت کی نشو و نما سے حاصل کر سکتے تھے - اس کے بعد اس نے اسلامی تہذیب کی فصل کو برباد کر دیا - موروں کی ہسپانی تہذیب کا حیرت انگیز عالم پائمال کر کے مٹا دیا گیا (میں نہیں کہتا کہ وہ کس کے پیروں سے کچلا گیا اور کیوں - اس لیے کہ اُس کی تباہ شدہ شریفانہ تجارت جو ہر طبعی رہتی - اس لیے کہ اُس نے زندگی کو زندہ کیا اور اُس زندگی کو بھی جو موروں کی کمیاب اور نفیس تکلفات سے معمور تھی -

(ماخوذ از نیشچی ان دی اینٹی کرائسٹ

اس کے بعد صلیبی جنگجو ایک ایسی شے کے خلاف نبرد آزما

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ہوئے جس کے سامنے اُن کے لیے زیادہ مناسب یہ تھا
کہ سرِ نیاز خاک پر رکھ دیتے۔
یعنی ایسی شائستگی جس کے بغیر ہماری اُنیسویں صدی
کی تہذیب بھی بہت حقیر اور کہنہ معلوم ہوتی ہے۔ فی الحقیقت
اُن کو مالِ غنیمت کی خواہش تھی۔ مشرق دولت مند تھا
خدا کے لیے اپنے تعصبات فراموش کر دیئے گئے۔ صلیبی محاربات
اعلیٰ قسم کی قزاقی تھی اور بس (از لیشی)
یہ کہا جاتا ہے کہ تاریخ ایک ہی خیال کو کچھ اختلاف کے
ساتھ بار بار دہراتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی دماغ
میں بعض خواص ایسے ہیں جو عرصۂ دراز تک سوتے رہنے
کے بعد بھی ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔ خیالات اکثر مختلف صورتوں
اور مختلف ناموں سے رونما ہوتے ہیں مگر اصلاً وہ ایک ہی
ہوتے ہیں۔ اگرچہ انسان نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ
اکثر اس مطابقت اور یکسانیت کا انکار کیا ہے۔ حکومت پسندی
کی خواہش عام دماغوں کا خاصہ ہے جو بعض اوقات ہمارے
تمام روحانی اور اخلاقی جذبات۔ مثلاً دیانت۔ عدل۔ اور
خوش معاملگی پر حاوی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ مذہبی نارواداری
کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور کبھی قومی برتری کی شکل اختیار
کرتا ہے۔ فتوحات۔ الحاق۔ نگرانیاں اور حکمرداری سب مختلف

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اشکال اور نام ہیں جن کے پردہ میں حکومت پسندی کی خواہش
اپنا کام کرتی ہے۔ قرون وسطیٰ میں اسی خواہش نے مذہبی
ناروا داری کی صورت اختیار کی۔ جس نے اسلامی تہذیب
کو تباہ کیا اور جس کے متعلق نشچی نے فصیح مگر تیز الفاظ میں تنفر کا
اظہار کیا ہے۔

اس بیسویں صدی میں یہ خواہش قومی برتری اور سفید
نسل کے غلبہ کی صورت میں نمودار ہوئی ہے اور باقی ماندہ
تہذیب اسلامی کو ایک بار پھر تباہ کرنا چاہتی ہے وہ کبھی اُن
مصائب تکالیف اور آلام کی پرواہ نہیں کرتی جو تخریب کی
جنون میں نسل انسانی کے ایک حصّہ کے سر ڈالتی ہے۔

قرون وسطےٰ میں لوگوں کو سیم وزر کی ہوس تھی اب
تیل اور کوئلہ کی طمع ہے جو چاندی سونے میں تبدیل ہو سکتا ہے
یہ اعلیٰ درجہ کی غارت گری نہیں ہے بلکہ نہایت ذلیل رہزنی
ہے۔ انسان نے اس خواہش کو بلا کسی روک ٹوک کے اس
حد تک بڑھنے دیا کہ بعض بڑے آدمی ایسے ہو گذرے جن کا
یہ عقیدہ تھا کہ یہ خواہش اُن میں فطرتی ہے اور جو باوجود
انسانی کوشش کے دور نہیں کی جا سکتی۔ بلا شک یہ عقیدہ
اُس وقت تک قائم رہیگا جب تک انسانی افعال کی رہنمائی
خالص مادی خواہشات پر منحصر رہے گی۔ لیکن ایسا وقت

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ضرور آئیگا جب محض بقاریے ذات کی خاطر دنیا وسعتِ نظر سے کام لے گی۔ اپنے فیصلوں پر دوبارہ غور کریگی اور بالآخر یہ بات تسلیم کرے گی کہ حکومت پسندی کی خواہش بُری چیز ہے جس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ ایسا ضرور ہو کر رہیگا۔ خواہ بدیر یا بجلد اور کوئی تیسرا بدل نہیں ہے بحالت موجودہ انسانی دنیا بڑی سرعت سے اپنے زوال کے راستہ پر جا رہی ہے۔ اگر اس کو نہیں روکا گیا تو وہ یقیناً فنا ہو جائے گی۔ گزشتہ جنگ یورپ اُس کی بیّن مثال ہے اس عالمگیر جنگ میں انگلستان کی شرکت کا پہلا سبب تو وہ خواہش تھی جو آرزوئے بقا کہلاتی ہے۔ ایک عالمگیر جنگ میں عالمگیر اقتدار والی طاقت کا غیر جانبدار رہنا ناممکن تھا انگلستان کے مقبوضات تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اُنکی حفاظت اور نگرانی کرنا ضروری تھا۔ سب سے اہم سوال ہندوستان کا تحفظ تھا۔ اگر ہندوستان ہاتھ سے نکل جاتا تو سلطنت انگریزی کا ذلت آمیز خاتمہ ہو جاتا۔

اس کے علاوہ انگلستان کے شریک جنگ ہونے کے اسباب میں ملک جرمنی کے ٹیوٹن نسل کے باشندوں کی تجارتی رقابت اور جرمنی کا جس نے سمندروں پر انگلستان سے مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ مثل ایک عظیم الشان بحری

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

طاقت کے عروج کا حاصل کرنا بھی شامل تھا۔
بظاہر انگلستان نے دنیا میں مشتہر کیا کہ شرکائے جنگ کی فہرست میں اُس نے بنی نوع انسان کی ہمدردی کے خیال سے اپنا نام لکھایا تھا تاکہ راستبازی اور انصاف کی خاطر چھوٹی قوموں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اُن کی مدد کی جائے اور موجودہ تہذیب کو جو یوروپی دول وسطی کی جنگجویانہ اسپرٹ کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گئی تھی قائم رکھا جائے کوئی ظاہری لالچ۔ کوئی تجارتی مقصد یا ملک گیری کا خیال اُس کے دماغ میں نہ تھا۔ جب جنگ میں اس کی شرکت مسلمہ ہوگئی اُس نے اس انگریزی مقولہ پر عمل کیا۔
"ہر فعل عشق اور جنگ میں جائز ہے" اُس نے ہر ممکن ذریعے سے فتح کرنے کی کوشش کی اور اُس کو ہر طرح فتح کرنا تھا۔ اُس کی رعایا میں سے سپاہیوں کی کثرت اس کی ضرب المثل دولت اُس کی دوربیں حکمت عملی۔ اور اُس کے ضرورت سے زیادہ فیاضی دعوے اور کفالتیں اُس کی کامیابی کا سبب ہوئیں۔ لڑائی میں تین سلطنتیں اس کی مدمقابل تھیں۔ تینوں کو نیچا دکھانا چاہیئے تھا۔ جرمنی اصل خطاوار تھا۔ مگر وہ شکست کھانے پر بھی بہت زیادہ طاقتور رہی اور تباہ ہو نہیں سکتا نہیں اُس پر گراں بہا مالی تاوان عائد کرکے اُس کو

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

برباد کرنے کی کوششیں کی گئیں جو رائگاں ثابت ہوئیں
وہ اب بھی خم ٹھونک کر سامنے آتا ہے اور چنگاریاں اور آہن
برساتا ہے۔ وہ سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ کمزور اسٹریا پورے
طور پر پارہ پارہ کر دیا گیا۔ اب وہ غریب سر نہیں اٹھا سکتا
اب باقی رہی ٹرکی۔ غریب لاچار عمر رسیدہ ٹرکی ہر طرف اور
یورپ کا خار چشم ٹرکی۔ اس کو ضرور صفحہ ہستی سے مٹا دیا
جائے۔ اس کا قصور نا قابل معافی ہے وہ مذہباً مسلم ہے۔
اور نسلاً تاتار ہے۔ عیسائی یورپ میں اس کا وجود گوارا
نہیں کیا جا سکتا۔ ایشیا میں اس کی موجودگی انگلستان کے
مقبوضات کے لیے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ کیونکہ وہ ہندوستان
کے راستہ میں حائل ہے۔ اسلام میں اس کا روحانی اقتدار
ہے اس لیے مسلم اقوام پر انگریزی اقتدار قائم رکھنے کے لیے
ہر وقت اس سے خطرہ پیش نظر رہتا ہے۔ دول متحدہ کا پورا
زور ٹرکی کے برباد کرنے کے لیے کام میں لانے کا کوئی
دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ اس کی رعیت کو رشوت میں زر و
مال دیا گیا اور اس طرح ان کو بغاوت پر آمادہ کیا گیا۔ اس کے
گورنر خیالی خود مختاری کے خالی وعدوں سے جادہ اطاعت
سے منحرف کیے گئے۔ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو یہ
یقین دلایا گیا کہ یہ لڑائی مذہبی جنگ نہیں ہے اور اسلام کے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

مقدس اماکن ہر طرح محفوظ رکھے جائیں گے اور اسلام کے متبرک ارکان کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچایا جائیگا۔ اور اس طرح سے مسلمانوں کو اُن کے ہم مذہب بندگان خدا کے خلاف لڑوایا گیا۔

بیشک اس قسم کے وعدوں کا پورا کرنا جبکہ لڑائی درجہ کمال کو پہونچ گئی تھی ممکن نہ تھا۔ مگر ایسی بے پروائی سے کارروائی کی گئی کہ وعدہ شکن اور بدکرداروں کو انتقام کی دیوی نے جلد آلیا۔ دوران جنگ میں مسلمانوں کو خبروں کے سخت احتساب نے ایک گونہ تاریکی میں رکھا اور وہ اس حقیقتِ حال کو کہ اُن کے مقامات مقدسہ میں کیا کیفیت گزر رہی ہے معلوم نہ کر سکے۔ لیکن لڑائی ختم ہونے کے بعد جب چھن چھن کر خبریں آنا شروع ہوئیں تو اسلامی دنیا میں اُنھوں نے ایک حشر برپا کر دیا۔ چالیس کرور پیروان اسلام کو اس درجہ مایوس کیا گیا ہے کہ ان پر ایک قسم کی دیوانگی سی طاری ہوگئی ہے۔ اگر ہندوستان کے نامور سپوت مہاتما گاندھی جی۔ جنھوں نے خطرہ کو سر پر کھڑا دیکھ کر لوگوں کی ارادی قوتوں کو خاموش ترک موالات کے راستہ پر ڈال دیا ہے آڑے نہ آجاتے تو ہندوستانی مسلمانوں کے غیض و غضب کی کچھ انتہا نہ ہوتی اور بہہ

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

معاملہ نہایت ناخوشگوار اور ناقابل برداشت صورت اختیار کر لیتا۔ افغانی - مصری - ترک - عرب سب انگلستان کے خلاف ہیں کیونکہ وہ اس کو اپنے مذہب کا برباد کرنیوالا سمجھتے ہیں۔ ٹرکی کی ہستی ایک دنیوی طاقت کی حیثیت سے مٹادی گئی اور اس وجہ سے منصب خلافت جو اس سے متعلق تھا ایک نام رہ گیا - انگلستان کے ہاتھ میں خلیفۃ المسلمین کی حیثیت ایک لاچار قیدی جیسی باقی رہ گئی۔ تازہ اطلاعات کے بموجب وہ دشمنوں کا حملہ روکنے کے لیے اپنے پایہ تخت میں خاطر خواہ فوج بھی جمع نہیں کر سکتا۔ فرانس اور اٹلی عہدنامہ سیورس کی ترمیم پر رضامند تھے۔ صرف انگلستان مخل ہوا۔ اور یہہ کیوں محض اس وجہ سے کہ انگلستان اس جنگ کی لوٹ کا بہترین لقمہ نگل چکا ہی۔ جس کو وہ اگلنا نہیں چاہتا۔ مجنونانہ کوششیں ہر طرف سے اس لوٹ کو ہضم کر جانے کی کی جارہی ہیں۔ جس طرح دوران جنگ میں وعدے وعید بکثرت تھے۔ اسی طرح لڑائی کے بعد انکار بے شمار ہیں۔ اسلام کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کا اقرار نہیں کیا جاتا۔ عربوں سے جو وعدے کیے گئے تھے اُن سے انحراف کیا جاتا ہی۔ مسٹر لائڈ جارج کے الفاظ سے بھی انکار ہی۔ یہاں تک کہ خلافت کے مقدس وجوہ سے بھی انکار رہی اس کے متعلق

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

دنیا میں یہہ کہا جاتا ہے کہ یہہ زمانہ حال کی پیدائش - اور پان اسلامزم (عالمگیر اتحاد اسلامی) اور مرحوم سلطان عبدالحمید خان کی ایجاد ہے - بعض آدمیوں کا ایک گروہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے جو اقعات کو توڑ مروڑ کر اسلامی تاریخ از سر نو لکھنے کی کوشش کر رہا ہے - اور اس کو اپنے متعصبانہ خیالات دعویٰ سے قائم کر لیتے ہیں اور سپیشگوئیوں کے سانچے میں ڈھال رہا ہے -

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے لوگ اپنی حب الوطنی کے انعام کے مستحق ہیں - لیکن کوئی شخص اُن کے پیش کردہ واقعات کو صحیح نہیں مان سکتا - اسلام کے خلاف جو دوامی جنگ جاری ہے اس کی یہہ بالکل نئی مگر خطرناک صورت ہے کہ گورنمنٹ کے حکام کلیہ ہیں اس مسئلہ کے متعلق وعظ کہنے کے لیے متعین ہوتے ہیں اور بعض مدبرین انگلستان بھی اُن کے ہمزبان ہو گئے ہیں - مگر تاریخی صداقت اس تبلیغی کام سے فنا نہیں ہو سکتی -

میرے دوست ڈاکٹر سید محمود نے اس تبلیغ واشاعت کے کمزور اور غیر موثر ہونے کو ثابت کیا ہے اُنھوں نے جس مسئلہ کو اُٹھایا ہے - اُس کو ناقابل تردید شہادتوں اور انگریزی مورخین کے لیے اسناد سے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

جن کے خلاف زبان نہیں کھولی جا سکتی ثابت کیا ہے۔
ناظرین اس کتاب سے اسلام اور انگلستان کی تاریخی رشتہ کی صحیح حالت معلوم کریں گے جو نہایت واضح اور صاف طور سے دکھائی گئی ہے۔ اس مصنف کو زمانۂ حال کے نئے مورخین پر اس وجہ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ اسلامی تاریخ کے اصل مسالے پر دسترس رکھتے ہیں۔ مسئلہ خلافت پر ایسے پاکیزہ کامل اور معقول طریقے سے بحث کی گئی ہے کہ غیر جانبدار شخص اس کو قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا غالباً بعض لوگ اس کو ضرورت سے زیادہ تاریخی تصور کریں گے۔ اور بعض کہیں گے کہ اس میں اماکن مقدسہ کی بے حرمتی کا ذکر تک نہیں آیا۔ مگر یہ اپنی اپنی راے ہے اور ہر شخص ایک جداگانہ مزاج اور خاص طبیعت رکھتا ہے۔ اس کتاب کے مفید اور صحیح ہونے کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے امید ہے کہ عام لوگ کثرت سے اس کے مطالعہ سے دلچسپی حاصل کریں گے اور مستفید ہوں گے۔

مظہر الحق

پٹنہ - صداقت آشرم

۲۰ را پریل ۱۹۲۱ء

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

انگلستان کے عہد و پیمان

جو شکست کیے گئے

ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ ہم یا ہمارے متحدین اس جنگ میں کوئی ایسی بات نہ کریں گے۔ جس سے ان کے مذہبی جذبات اور خیالات کو ٹھیس لگے اسلام کے مقدس مقامات بے حرمتی سے محفوظ رہینگے اور ان کی عزت و حرمت قائم رکھنے کی ہر قسم کی ممکن احتیاط کی جائے گی۔ اسلام کے مقدس دار الخلافت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ ہم صرف ترکی وزراء سے لڑ رہے ہیں جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رہے ہیں نہ کہ خلیفۃ المسلمین سے برٹش گورنمنٹ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے متحدین کی طرف سے ان تمام مواعید کی ذمہ داری لیتی ہے (خلاصہ اعلان سرکاری شائع کردہ گورنمنٹ ہند نومبر ۱۹۱۴ء جس کی اشاعت اعلان جنگ کے ساتھ سرکاری طور پر ہندوستان کے ہر قصبہ و قریہ میں کی گئی)۔

لارڈ ہارڈنگ نے امپریل لیجسلیٹو کونسل میں ۱۲ جنوری ۱۹۱۵ء کو فرمایا:-

"متحدین نے جزیرۃ العرب اور عراق کے اماکن مقدسہ کو حملے سے

کو محفوظ رکھنے کے متعلق اعلان کیا ہے اور برٹش گورنمنٹ نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو وہ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف اُن کی حفاظت کرنے کے لیے تیار رہیں اور اُن کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچنے دینگے۔ گو واقعات کا رخ کتنا ہی کیوں نہ بدلے مگر اس میں شک نہ ہوگا کہ مقامات مقدسہ کے معاملات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی جائیگی اور اسلام دُنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار کیا جاویگا۔

۲۰ اپریل ۱۹۱۵ء کو لارڈ کرومر نے دار الامرا میں یہ تقریر کی:

"مجھ کو اس کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں مارکوئس آف کریو کی اس رائے سے متفق ہوں کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کو خود ہی طے کرنا چاہیئے۔ لیکن ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خلیفہ کے لیے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمان ہو بلکہ یہ بھی ضرورت ہے کہ وہ ایسا مسلمان ہو جو کسی یورپین طاقت کے زیرِ اثر نہ ہو"

مسٹر لائڈ جارج نے ۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو ایک تقریر میں فرمایا:-

"ہم اس غرض سے نہیں لڑ رہے ہیں کہ ٹرکی کو اُس کے دار السلطنت سے یا تھریس سے یا ایشیائے کوچک کے زرخیز ممالک سے جہاں ترکی النسل لوگ آباد ہیں محروم کردیں"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

باب اوّل

خلافت کا تاریخی پہلو

مسئلہ خلافت نے اس وقت جو درد انگیز نظارہ تمام عالم کے سامنے پیش کر دیا ہے اس سے متاثر ہو کر اور بہ حیثیت ایک مسلمان اپنا فرض سمجھ کر صرف اِس امید موہوم پر کہ مسئلہ خلافت کے متعلق جو چند غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اُن کو دور کر سکوں ـ سطور ذیل لکھنے کے لیے مجبور ہوا ہوں:-

خلافت کا مسئلہ گوناگوں دلچسپیوں سے لبریز ہے- اس کے متعلق بہت کچھ اختلاف آرا ہے- اس کا تجزیہ کوئی آسان کام نہیں ہے اس فرض کو آیندہ زمانہ کے اسلامی مورخین ہی بہتر طور پر

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

انجام دے سکیں گے۔ بدقسمتی سے سیاسیات کے مصنفین کے ہاتھوں میں پڑ کر اس مضمون کی مٹی خراب ہو گئی ہے ان مصنفین اپنے خاص عقائد اور خاص اصول کی تائید میں اس مسئلہ میں جو متعصبانہ رائیں قائم کی ہیں وہ افسوسناک ہیں ان کی بدولت مورخانہ صداقت میں قابل افسوس زوال پیدا ہو گیا اور اس مسئلہ کا حل تاریکی میں چھپ گیا۔ چونکہ اس حل سے مسلمانانِ ہند اور اُن کے اُن تعلقات پر جو وہ اپنے بادشاہ کے ساتھ رکھتے ہیں خاص طور پر اثر پڑتا ہے۔ اس لیے غیر جانب داری اور وضاحت کے ساتھ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے سرکار ہند کے محکمۂ اشاعت وتشہیر نے حال میں ایک رسالہ شائع کیا ہے جس کا عنوان، "مسئلہ خلافت پر دیانت دارانہ گفتگو"، ہے۔ اس رسالہ میں مندرجہ ذیل بیان فن تاریخ کے ایک متعلم کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ رسالۂ مذکور میں تحریر ہے کہ: "یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانانِ ہند کا سلطان ٹرکی کو خلیفہ ماننا ایک نئی چیز ہے اور گذشتہ نصف صدی کی ایک جدت ہے جو نتیجہ ہے سیاسی پان اسلامی تحریک کی ترقی کا۔ اور اس دعویٰ کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے کہ مسلمانانِ ہند کے لیے خلافت میں سلطان ٹرکی کی دینوی اطاعت کا مفہوم پوشیدہ ہے اگر میری معلومات صحیح ہیں تو مندرجۂ بالا تحریر اسلامی ہند

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

کی تاریخ کے ایک مشہور پروفیسر کے قلم سے نکلی ہے۔ اپنے ملک کی خدمت کرنے کے جوش میں فاضل پروفیسر نے بظاہر تاریخی واقعات کو فراموش کر دیا ہے۔

جس وقت ٹرکی کے ساتھ باضابطہ اعلان جنگ ہوا۔ مسلمانان ہند کی اس درجہ مشکل ہو گئی جو ناقابل بیان ہے۔ اس واقعہ نے بادشاہ قیصر ہند کے ساتھ ان کی وفاداری کا سوال اور نیز یہ سوال کہ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ ان کا کیا رویہ ہونا چاہیئے نمایاں کر دیا۔ اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کے اور ممالک کے مسلمانوں کی طرح مسلمانان ہند بھی یہ محسوس کرنے میں کسی طرح کم نہیں ہیں کہ وہ خلیفۃ الاسلام سلطان ٹرکی سے مذہباً روایتاً اور عقیدتاً بڑی مضبوطی سے منسلک ہیں۔ یہ رشتہ جو وادی گنگا کے ایک ساکن کو کنارہ باسفورس کے رہنے والے شخص سے (جن میں سے کسی ایک نے دوسرے کو نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ دیکھنے کی امید ہے) منسلک کرتا ہے ممکن ہے کہ ایک یورپین کی نظر میں نہ آئے اور وہ اُس کو دور از عقل سمجھے۔ لیکن حقیقتاً حال یوں ہی ہے۔ اور میرے خیال میں ہر عقل سلیم رکھنے والے شخص کی توجہ اس طرف زیادہ سنجیدگی سے منعطف ہونی چاہیئے کہ بجا تردید کی نظر سے جس کے وہ اب تک عادی رہے ہیں۔

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

کیونکہ یہ ایک ایسے جذبہ کا اظہار ہی جو دو مسلمانوں کے
روحانی تعلقات کے لیے لابدی ہی۔ اس کے اسباب
شامی اقوام کے (جن میں پہلے پہل اسلام ظاہر ہوا) گہرے مذہبی
جوش میں تلاش کیئے جا سکتے ہیں۔ شامیوں کا مذہب شامی
تہذیب کے طالب علم کا پہلا خیال اپنی طرف مبذول کراتا ہی
یہ مستحکم مذہبی احساس اور دوسرے مواقع پر ایک عنصر غالب رہا
ہی اور خصوصاً ایسی جگہہ جہاں واعظین کا وجود پایا جاتا ہو جیسا
کہ ملک ہندوستان میں۔ مگر شام میں یہ عنصر غالب اپنی
حد کو پہونچ گیا ہی۔

خلافت کے حقیقی آغاز کا پتہ شامی النسل قوموں کے خصائل
وقوانین سے لگایا جاسکتا ہی جو مذہبی تقدس اور حکمرانی کو لازم و
ملزوم سمجھتے تھے۔ انفرادیت کا غلبہ شامی النسل قوموں میں بہت
زیادہ ہی۔ لیکن حیات مذہبی و روحانی کے سامنے انفرادیت
سر تسلیم و رضا خم کردیتی ہی۔ اصول انتخاب کسی نہ کسی صورت
میں شامی النسل قوموں کے درمیان ہمیشہ موجود رہا ہی۔ اور
ایک مقدس ملکی قانون کی طرح مانا گیا ہی۔ اس انتخاب کے ساتھ
ہمیشہ ایک قسم کا مذہبی اقتدار شامل ہوا کرتا تھا۔ بہت قدیم
ایام میں اٹھودلم کے بادشاہ منتخب شدہ حکمراں نظر آتے ہیں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اہالی فنیشیا[۱] (جن میں اہل قرطاجنہ[۲] بھی شامل ہیں) ضو البط سیاسیہ کے کثیر اقسام مختلفہ پیش کرتے ہیں جن کو دیکھکر قدیم یونان کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اِن لوگوں میں خالص حب الوطنی کا جذبہ اپنے ملکی معنی میں غالباً اتنی قوت کے ساتھ موجود نہ تھا لیکن رومتہ الکبریٰ کے خلاف اہل فینشیا کی جنگ جس میں قرطاجنہ تباہ ہوا اور اسکندر کے خلاف ٹائر[۳] کے ہلاکت آمیز کشمکش سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس احساس سے بالکل مُبرّا نہ تھے اگرچہ موخر الذکر واقعہ میں جذبات مذہبی کا بھی کچھ دخل تھا لیکن پھر بھی یہ کون کہہ سکتا ہے کہ میکابیس[۴] کی فوجوں کی بہ نسبت مراتھن کی نبرد آزماؤں نے انسانیت کی زیادہ خدمت کی؟

اسلام نے عربوں کے عادات و خصائل میں بہت بڑے تغیرات پیدا کیے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اِن کے جوش مذہبی کی قومی خصوصیت کو اور زیادہ تیز کردیا۔ اس سے پیشتر کبھی عربوں کا کوئی قومی مذہب نہ تھا۔ آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِن کے لیے قومی مذہب لائے اور اپنے پیروؤں کو ایک ایسے سیاسی و مذہبی رشتہ انحاد میں جکڑ دیا جس کی یکجہتی اور مضبوطی کو زمانہ اور بُعد بھی کم کرتا نظر نہیں آتا

۱۔ Pheonician
۲۔ Carthagians
۳۔ Tyre
۴۔ Maccabees

اسلام نے عربوں کے معاشرتی اور اخلاقی اور سیاسی حالات کے سدھارنے میں بہت زیادہ حصّہ لیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرقہ بندی اور قبیلہ کی طرفداری کے خیالات کو اتحاد قومی کے جذبات سے تبدیل کر دینے میں ہی کامیاب نہیں ہوئے۔ بلکہ غیر عرب مسلمانوں مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کے ساتھ عمدہ سلوک کر کے عمل اور اصول دونوں ذرائع سے مساوات اور یکجہتی قائم کرنے کی کوشش کی۔

مساوات اسلامی کی یہ لہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی سرعت کے ساتھ دوڑ گئی۔ جس کی نظیر عالم میں نہیں ملتی۔

مساوات کا یہ اصول ساتویں صدی عیسوی کے اختتام کے وقت بحر اطلانطیق سے دریائے سندھ اور بحیرہ اخضر سے وادیٔ نیل تک پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔ روحی فداک پیغمبر اسلام کا مدعا تمام مسلمانوں میں مساوات قائم کرنا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ (ایمان والے[1] آپس میں بھائی ہیں اس لیے اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح و آشتی قائم کرو) دوسری جگہہ ہے

[1] انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم۔

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

"خدا کی نظر میں تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا رہے"[1] مندرجۂ ذیل حدیث اس سے بھی زیادہ بیّن طور پر نسلی غرور اور خاندانی تکبر کی مخالفت کرتی ہے
"اے انسان! خدا نے تجھ سے ایام بت پرستی کا تکبر اور قدیم نسلی غرور چھین لیا ہے۔ ایک عرب کو کسی غیر عرب پر سوائے خوفِ خدا کی صفت کے اور کوئی دوسری وجہ امتیاز حاصل نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خود خاک کا بنا ہوا تھا"[2] جس وقت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک آزاد سیاسی جماعت کے سردار کی حیثیت سے استقامت اختیار کی اسلام ایک سیاسی جماعت کا مذہب قرار پایا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو اپنے مذہبی احکامات قبول کرنے کے لیے بلایا۔ تو ساتھ ہی ساتھ آپ نے بہ حیثیت ایک بادشاہ کے انھیں قوانین بھی عطا کیے۔ پروفیسر نولدکے کہتا ہے وہ ان کے امام تھے نماز کے وقت ان کی امامت کرتے تھے اور وہی ان کے امیر تھے اور وہی قاضی اور وہی حاکم تھے" اس طرح اور

---

[1] ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

[2] لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی انکم ابناء آدم

روحانی ہر دو اقتدارات ایک ذات میں متحد ہو گئے۔" اسلام ابتدا ہی سے صرف ایک مذہب کی حیثیت ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ اس میں قومیت کی صلاحیت بھی تھی۔ مسلمانوں کو بتلایا گیا کہ وہ پیغمبر خدا کی اطاعت کریں نیز اُن لوگوں کی جو اُن کے حاکم ہیں۔ اس حکم سے ہم کو یہ پتہ چلتا ہے کہ دنیوی حکومت کے دائرے میں اور لوگ بھی شامل تھے۔ اب سے چند برس قبل یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ عرب جیسے مختلف النسل لوگ ایک سردار کی رہبری میں کام کریں گے۔ آنحضرت صلعم کو حاملِ وحی تسلیم کرنے کے بعد فطرتاً اس بات کی ضرورت پڑی کہ حضور کا ایک خلیفہ یعنی نائب رسولؐ ہونا چاہیئے جو سب باتوں میں سوائے منصب رسالت کے آپ کی قائم مقامی کرسکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ ضرورت پیش آئی کہ آپ کا جانشین منتخب کیا جائے جو آپ کی جگہہ پر مسلمانوں کی امامت کرے۔ یہ بات نہ تھی کہ خلافت کے مسئلہ کا خیال آپ کے دماغ میں نہ آیا ہو۔ بلکہ آنحضرتؐ نے صرف اس خیال سے کہ مسلمان خود اپنا امام منتخب کریں کسی شخص کو خود نامزد نہیں فرمایا۔ ایک حدیث ہے کہ بوڑھے عامر بن طفیل آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا "اگر میں اسلام قبول کروں تو میرا مرتبہ کیا ہوگا؟ کیا آپ مجھے اپنے بعد امامت

عطا فرماویں گے،، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا میرے
بعد مسلمانوں کی امامت کے فیصلہ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں "
عام طور پر مسلمان علماء و مورخین منصب خلافت کی چار مختلف
صورتیں اور اس کی تاریخ کے چار مختلف دور قرار دیتے ہیں۔

۶۳۲ء سے ۶۶۱ء تک	پہلا تاریخی دور ایک خالص مذہبی حکمرانی کا زمانہ تھا۔ جس میں خلیفہ ایک مقدس مذہبی

سردار اور ساتھ ہی ساتھ بادشاہ بھی ہوا کرتا تھا۔ یہ دور صرف
تیس سال تک قائم رہا اور اس میں ۴ خلفا حضرت ابو بکر صدیق حضرت
عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا ہوئے جن کے
مدارج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام میں بہت ہی بلند تھے۔
یہ خلفائے راشدین کہلاتے ہیں۔
اسلام کا یہ مقدس ترین تاریخی زمانہ تھا جو حکومت کے تخیل کا
اعلیٰ ترین دور کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ تاریخ خلافت میں یہ دور بہت
مختصر لیکن بہت اہم ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال (۸
جون ۶۳۲ء) کے بعد فوراً ہی آپ کے تمام معزز ترین اصحاب
آپ کے جانشین کو منتخب کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ سب کی
نظر انتخاب حضرت ابو بکر صدیق پر پڑی جو آں حضرت کے یار
غار تھے۔ خلافت کے اس دور میں احکام مذہبی کی بہت سختی کے
ساتھ تعمیل کی جاتی تھی۔ خلیفہ ایک معمولی شخص کی طرح سیدھی

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

سادھی زندگی بسر کرتا تھا۔ شاہزادہ اور امرا غیر ملکی یا عرب نومسلم یا قیدی جب امیر المومنین کے دیکھنے کے شوق میں مدینہ آتے تھے تو وہ یہ دیکھکر حیران رہ جاتے تھے کہ ایک شخص کو جو کسی طریقہ سے مدینہ کے دوسرے لوگوں سے بظاہر کوئی مختلف حیثیت نہیں رکھتا تھا امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ جس کی نسبت مورخین بتاتے ہیں کہ زمین پر ایک بوریہ بچھا کر سوتا تھا۔ سادہ سے سادہ لباس پہنتا تھا اور محض معمولی غذا کھاتا تھا۔ چنانچہ انھیں خلفا میں سے ایک خلیفہ نے ایک مرتبہ اُن لذائذ دنیوی کا ذکر کرتے ہوئے جس کو وہ عمداً چھوڑ چکے تھے یہ فرمایا تھا کہ اگر میں چاہوں تو میرے لیے نفیس ترین شہد اور ملائم ترین جو کی روٹی بہت آسانی کے ساتھ مہیا ہو سکتی ہے۔

یہ ہے وہ نصب العین جس کی طرف قرون اُخریٰ کے ہر سچّے اور اتقا پسند مسلمان کو رغبت ہوتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ وُہی زمانہ پھر عود کر آئے۔ اس کے لیے مسلمانوں کو حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار ہے جو خلافت کے گزشتہ شان و شکوہ کی پھر تجدید کریں گے اور سچّا دین پھیلائیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کر دینگے۔

دوسرا دور جس کی مدت قیام چھ سو سال ہے عربی بادشاہت کا زمانہ ہے۔ جس میں خلافت نے	٦٦١ء سے ١٢٥٨ء تک

خاندانی دنیوی و سیاسی حکومت کی صورت اختیار کرلی۔ اس دور میں خلیفہ کے لیے عالمِ شریعت اور متقی ہونا ضروری نہ تھا۔ حضرت معاویہ پہلے خلیفہ تھے جس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ خلفائے بنو امیہ کا دور اس دور سے جس کا ہم ابھی تذکرہ کرچکے ہیں بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ اس دور میں حضرت عمر کی سی سادگی اور حضرت علی کا سا تقویٰ باقی نہ رہا تھا۔ خلفائے بنو امیہ غیر ملکی مسلمانوں کو اپنے برابر حقوق نہ دیتے تھے۔ وہ مناصب وہ استحقاق جن کے تمام سچے مسلمان جائز طور پر دعویدار ہو سکتے تھے انھیں عطا نہیں کیے جاتے تھے۔ اور اسی طرح اصول اسلام کی صریح خلاف ورزی کی جاتی تھی۔ ان کے زوال کے ساتھ ہی عربوں کا ایک حاکم قوم کی حیثیت سے خاتمہ ہوگیا اور اُن کی جگہ پہلے ایرانیوں نے اور پھر اُس کے بعد ترکوں نے لی۔ عربوں نے بہت بڑی ترقی حاصل کی اور ایک زمانہ تک تاریخ عالم میں اِن کا بہت بڑا حصّہ رہا۔ کیونکہ ایک اعلیٰ مقصد جمہوریت اور مساوات کا ان کے پیش نظر تھا جو ان میں تحریک پیدا کرتا تھا۔ لیکن جب اُنھوں نے اس اعلیٰ مقصد کو کھو دیا اور صرف حکمرانی کے خیال سے حکومت کے طلبگار ہوئے تو وہی اعلیٰ مقصد جس سے وہ کبھی طاقت حاصل کرتے تھے اِن کی تباہی کا باعث ہوا۔ خلافت عباسیہ کے دور میں ابتداً ایرانیوں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اور پھر آخر میں ترکوں کا غلبہ رہا۔ چونکہ عباسیوں کو ایرانی مسلمانوں کی مدد کے ذریعہ ہی خلافت ملی اس لیے وزرا اور ارکینِ حکومت کے انتخاب کے وقت وہ اس بات کو کبھی نہ بھولے کہ ان کی قوت کے اصلی باعث غیر عرب مسلمان تھے۔ باوجود کثیر عیوب ونقائص کے عباسیہ خاندان اعلیٰ صفات سے لبریز اور فیاضانہ اوصاف سے معمور تھا۔ سائینس کی قدر دانی اُن کا حصّہ تھا تمدن و تہذیب کے دلدادہ تھے۔ فیاضی میں بے مثل تھے۔ اُن کے عہد میں آزادیٔ ضمیر کی عزت کی جاتی تھی سرحدوں کی دلیرانہ مدافعت و محافظت ہوتی تھی۔ مختصر یہ کہ دنیا میں فارغ البالی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تہذیب سائینس اور تمدن مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے۔ جبکہ یورپ اپنے زمانہ متوسطہ میں ظلمت و بربریت میں آلودہ تھا۔ بقول پروفیسر براؤن یورپ فارس کے ابن سینا اور عرب کے ابن رشد سے فلسفہ۔ طب اور ریاضی کی روشنی سے مستفید ہونے میں عار نہیں سمجھتا تھا۔

۱۲۶۱ء سے ۱۵۱۷ء تک

تیسرا دور جس کی مدت قیام تقریباً تین سو سال تھی وہ زمانہ تھا جبکہ سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا اور خلافت کے شاہانہ حقوق سلب ہو چکے تھے۔ اس وقت اسلام کا سیاسی اور دنیوی اقتدار جس کا مسلسل طور پر اس زمانہ تک جاری و ساری ہوتا چلا آنا نظری طور پر فرض کر لیا گیا ہے

مصر کے مملوک سلطانوں اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے قبضہ میں تھا
بیبرس[۱] نے جب یہ سُنا کہ شام میں خاندان عباسیہ کا ایک
وارث زندہ ہے تو اُس نے یہ تجویز سوچی کہ اِسے خلیفۃ المسلمین بنا کر
خود اس کی زبان سے روحانی برکت اور سلطان کا خطاب حاصل
کرے۔ چنانچہ خاندان عباسیہ کا یہ جانشین جس کا نام احمد طاہر
تھا قاہرہ لایا گیا۔ اس کی آمد پر سلطان مع اپنے اراکین سلطنت
کے بڑے کروفر کے ساتھ استقبال کے لیے گیا۔ قاہرہ پہونچ کر
احمد طاہر نے ممبر پر ایک خطبہ پڑھا۔ اپنی خلافت کا اعلان
کر کے اپنا لقب مستنصر باللہ رکھا۔ بیبرس کو شاہانہ خطاب عطا کیا
اور دین کی خاطر جنگ کرنے کا فرض اس پر عائد کیا۔ مستنصر مغلوں
کے خلاف ایک جنگ میں ۱۲۶۲ء میں قتل ہوا۔ اس کے مرنے
پر بیبرس نے اس خاندان کے ایک دوسرے نوجوان شہزادہ کو
خلیفہ بنا کر تخت پر بیٹھایا اور اُس کی وفاداری کا حلف اُٹھایا۔

آخری دور خلافت عثمانیہ کا ہے۔ ۱۵۱۷ء میں سلیم اول نے
مصر کو جو اُس وقت مملوک سُلطان کے قبضہ میں تھا فتح کیا۔ اور
خاندانِ عباسیہ کے آخری جانشین متوکل ابن عمر الحاکم سے سلطان
السلاطین و حاکم الحواکم مالک البحرین والبرین حامی دین خلیفہ
رسول اللہ امیر المومنین وغیرہ وغیرہ لقب کے ساتھ مرتبہ خلافت

[۱] Beibars

حاصل کیا۔ خلفائے عثمانیہ کا یہہ خطاب آجتک محفوظ چلا آرہا ہے۔
یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ وہی لوگ جنھوں نے اسلامی تمدن کو
تباہ کیا اس مذہب کے محافظ تھے۔ جس شخص نے ۱۲۵۸ء میں بغداد
کو تباہ کیا تھا وہ سلیم کا ہم وطن تھا۔ یہ تباہی وہ تباہی تھی جس نے
اسلام دا ایسا سیاسی اور معاشرتی ہچکولا دیا کہ وہ پھر کبھی سنبھل نہ سکا
مغلوں کی لائی ہوئی اس تباہی و بربادی کی مختصر الفاظ میں اس
طرح تشریح کی گئی ہے:-

"آمدند و کندند وسوختند وکشتند. و بردند و رفتند"

ہلاکو کے ہاتھوں "باغ داد" (بغداد) کی تباہی و بربادی سے
جو اخلاقی و دماغی انحطاط پیدا ہو گیا تھا وہ اگرچہ زائل نہ ہو سکا لیکن
ہلاکو خاں کی اولاد اور اس کے ہم قوموں نے اسلام لانے کے بعد
ہمیشہ اس مذہب کی محافظت اور مدافعت میں جنگ کی۔ سلطان
ٹرکی کے پاس منصب خلافت کے حق دار ہونے کے متعلق ایک
سے زیادہ وجوہ موجود تھے۔ وہ سلطان محمدؐ فاتح کا پوتا تھا جس نے
مشرقی روم کی حکومت کو مکمل طور پر تباہ کر کے اس کی جگہہ پر اسلام
کی حکومت قائم کر دی تھی وہ اپنے عصر کا سب سے زیادہ طاقتور
مسلمان بادشاہ تھا۔ سب سے بڑھ کر یہہ کہ خلافت عباسیہ
کے آخری جانشین سے مرتبہ خلافت حاصل کرنے کی وجہ سے اس کا
حق شرعی اور قانونی طور پر قائم ہو گیا تھا۔ جب سلیم نے خلیفہ کا

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

لقب اختیار کیا تو علمائے شریعت کی جماعت میں اس کے حق کے متعلق اختلاف آرا نمودار ہو گیا۔ لیکن آخر کار کئی سال کی گفتگو اور ردوکد کے بعد اس کی جانشینی تسلیم کر لی گئی اور مکہ معظمہ میں سے جائز خلیفہ مانا گیا۔ اس کے بعد سے پھر کبھی کسی نے سلاطین عثمانیہ کے حق خلافت پر اعتراضات یا تنازعات پیدا نہیں کیے

آل عثمان کا حق خلافت مندرجہ ذیل دعاوی پر مبنی ہے

۱۔ نامزدگی جیساکہ ابھی بیان کیا گیا ہے۔ خاندان عباسیہ کے ایک جانشین متوکل نے سلیم کو خلیفہ نامزد کیا۔ یہہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ فرقۂ اہل سنت و الجماعت نے اسے جائز تسلیم کیا اور اُس کی نظیر میں یہ واقعہ پیش کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین خلیفہ نامزد کیا تھا۔ متوکل چونکہ خاندان عباسیہ کا آخری جانشین تھا اور مصر میں اُس کی خلافت مسلّم طور پر مانی جا چکی تھی۔ اس لیے اُسے پورا شرعی اور قانونی حاصل تھا کہ سب سے طاقتور مسلمان بادشاہ کو منصب خلافت حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جائے۔

۲۔ انتخاب۔ سلیم کے خاندان کا حق خلافت صرف متوکل کی نامزدگی ہی پر مبنی نہیں بلکہ اُس کی نامزدگی کو تمام اسلامی دنیا نے بھی جائز تسلیم کیا ہے۔ سلیم نے اس امر میں اہل العقد

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

کی شرعی و قانونی منظوری حاصل کی۔ دلیل یہہ پیش کی گئی کہ
یہ جماعت اہل الحقد مدینہ سے منتقل ہو کر دمشق۔ دمشق سے
بغداد اور پھر بغداد سے قاہرہ چلی گئی تھی۔ اس لیے پھر ایک
مرتبہ اور اسے جائز طور پر قاہرہ سے قسطنطنیہ منتقل کیا جاسکتا
ہے سلیم نے قاہرہ میں جامع ازہر کے علمار کی اور مسجد ایوب
میں ترکی علمار کی مجلس قائم کی جنہوں نے اسے خلیفہ منتخب کیا
ایک طریقۂ انتخاب اس وقت بھی قسطنطنیہ میں مروج ہے۔
ہر ایک سلطان اپنی جانشینی کے وقت علمار کی منظوری
حاصل کرتا ہے اور جامع ایوب میں شیخ الاسلام کے ہاتھوں سے
حضرت علیؓ کی مقدس تلوار لیتا ہے تاکہ اس کا دعویٰ خلافت
مکمل ہو جائے۔

۳۔ مقامات مقدسہ کی حفاظت و سرپرستی:۔ مکہ۔ مدینہ
کربلا۔ بیت المقدس و دیگر مقامات۔ ازمنہ سابقہ میں بیت اللہ
(مکہ) کی حفاظت کے لیے اکثر لڑائیاں لڑی گئیں۔ موجودہ
زمانہ میں سلطان ترکی ہی ایک ایسا مسلمان بادشاہ تھا
جس کی مضبوط طاقت بیت اللہ کو محفوظ رکھ سکتی تھی۔
اور اسی وجہ سے اس کو خادم حرمین الشریفین کہا جاتا ہے۔

۴۔ آزاد و خود مختار اسلامی حکومت:۔ خلافت کے لیے
یہ ایک ضروری شرط ہے اور شریعت اسلامیہ نے اس پر

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

بہت زور دیا ہے اور وہ شخص جو ایک خود مختار بادشاہ نہیں ہے مرتبۂ خلافت کا حقیقی و جائز دعویدار نہیں ہوسکتا۔

۵۔ مقدس نشانات و یادگار کا قبضہ:۔ موجودہ زمانہ میں اس دلیل کا عام مسلمانوں پر اتنا زبردست اور گہرا اثر ہے کہ اس میں انکار کی مطلق گنجائش نہیں ہے یادگار و نشانات رسول مقبول صلعم کے پیراہن مبارک۔ حضرت علی کی تلوار اور علم اور چند دیگر اشیاء پر مشتمل ہیں۔ عام طور پر تمام مسلمان اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ۱۲۵۸ء میں تباہیٔ بغداد کے بعد یہہ مقدس نشانات قاہرہ لائے گئے۔ اور پھر وہاں سے قسطنطنیہ پہونچے۔

۶ عام مسلمانوں کی رضامندی۔ اجماع الامتہ:۔ یہ سب سے اہم شرط ہے۔ اگر کوئی مسلمان حکمران بھی مقامات مقدسہ پر قبضہ کرلے تو اُس وقت تک وہ خلیفہ نہیں مانا جاسکتا جب تک کہ عام مسلمانوں کا اکثر حصہ اُسے منظور نہ کرلے۔ جیسا کہ دسویں صدی میں فراتین اور اٹھارہویں صدی میں وہابیوں کے ساتھ پیش آیا۔ چنانچہ یہ فرض کرلینا غلطی ہے کہ سلطان ٹرکی صرف اس وجہ سے خلیفہ ہے کہ وہ حرمین شریفین کا خادم ہے اور یہہ اماکن مقدسہ اُن کی حفاظت میں رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود شریف مکہ بھی آج تک سلطان کو شرعی طور پر خلیفہ تسلیم کرتا ہے

۷- استحقاق بزورِ شمشیر - یعنی حقوق سلطنت کا واقعی اور حقیقی قبضہ - دلیل یہ پیش کی جاتی تھی کہ چونکہ خلافت کا قیام ضروری ہی اس لیے یہ بھی ضروری ہی کہ وہ شخص جو ان حقوق و خطابات پر واقعی اور حقیقی قبضہ رکھتا ہو شرعی طور پر خلیفہ تسلیم کیا جائے یہانتک کہ کوئی دوسرا دعویدار خلافت اس سے اعلیٰ اور زبردست دعاوی کے ساتھ ظاہر ہو۔ اُس وقت سے جب کہ سلیم نے مسند خلافت پر قبضہ کیا ہی - آجتک کسی شخص نے اس کی اہمیت کے ساتھ مخالفت نہیں کی جس وقت سے کہ خاندانِ عباسیہ کے آخری جانشین نے اپنے حقوق خلافت سلطان سلیم کے حوالہ کیے اُس وقت سے آج تک کوئی دوسرا شخص ان حقوق کا حقیقی دعویدار نہیں پایا گیا - اس کی تائید میں معاویہ اور ابو العباس کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں نظریات سے واقعات سو گنے قابلِ وثوق ہیں - اور واقعہ یہ ہی کہ صدیوں تک ترکوں نے اسلام کی خاطر جنگ کی ہی اور مسلمانوں کے لیے مایۂ ناز رہے ہیں بغیر ترکی فوجی طاقت کے اسلام کبھی قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ جبکہ بقیہ اسلامی دنیا بے پروا اور خوابِ غفلت میں سرشار تھی یا مسلمان مغربی دست اندازیوں کے روکنے کی کافی قوت نہ رکھتے تھے۔ اُس وقت یہی ترک تھے جنھوں نے ان حملوں کو روکنے کے لیے اپنی ہڈیوں کی دیوار کھڑی کر دی تھی - خاندان

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

عثمانیہ کی بدولت اسلام اپنے لیے نیز دیگر ایشیائی تمدن وتہذیب کے لیے) ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے خلاف ایک پشتہ سنگ ثابت ہوا۔ قسطنطنیہ کی فتح اور حکومت روم کی مکمل تباہی کا پرانا خواب انھیں کے ذریعہ سے پورا ہوا۔ خدا کی راہ میں لڑنا مسلمان کے لیے ایک ایسا کام ہے جو ہر شخص کے لیے قابل رشک ہی۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔ "ان لوگوں کے لیے جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں۔ بہت بڑا اجر ملیگا" چنانچہ ترکوں نے راہ حق میں جان دینے کا بیڑا اٹھایا۔ اس وجہ سے وہ خدا کے خادم اور ان کا بادشاہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا امیر مانا جاتا ہی۔ یہ ایمان ومذہب کا اعتقاد ہی اور عقل کے لیے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کوئی شخص موجودہ الحاد ولامذہبی کے نقطۂ نگاہ کے باوجود بھی اس واقعہ سے انکار نہیں کرسکتا۔ کہ ترک اسلام کے سپر بلکہ اس سے بھی زیادہ ثابت ہوئے ہیں یعنی یہہ کہ انھوں نے ایشیا کی روحانی تہذیب کو یورپ کے مادی ہوسناکیوں کے حملوں سے بچایا ہی۔ اس طرح ہم نے دیکھ لیا کہ قانون خلافت اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اسلام نیز یہہ کہ مذہبی تقدس ہمیشہ اس کے ساتھ رہا۔ یہ اسلام کی تاریخ سے وابستہ ہی اور اسے کسی طرح علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے جب تک اسلام کی زندگی باقی ہی یہ اسکے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے رہیگا

باب دوم

ملکی پہلو

لفظ خلیفہ کا مادہ "خلف" ہی جس کے معنی "پیچھے چھوڑنے" کے ہیں۔ شرعی وقانونی محاورہ میں اس کے معنے پیغمبر اسلام کا جانشین اور اسلام کی روحانی وسیاسی طاقتوں کا وارث قرار پائے ہیں۔ ابتدا میں جب شریعت اسلامیہ منضبط کی گئی تھی تو بادشاہی شخصیت کا کوئی وجود تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اوائل زمانہ کے خلفاء اور اُن کے اقتدار کا مقابلہ قدیم رومن جمہوریہ کے سرداروں سے کیا جاسکتا ہی۔ کیونکہ ہر ایک خلیفہ (جانشین پیغمبر اسلام) رائے عامہ کے مطابق عوام کی جماعت میں سے منتخب کیا جاسکتا تھا۔ شریعت اسلام کی رو سے خلیفہ جانشین پیغمبر و امیر المومنین وصوت الحی ہونے کے باعث اجتہاد و اختراع کے معاملات میں تنہا شرعی سند ہی۔ اُسے اختیار رہی کہ وہ دلائل و احکام قرآنیہ کے مطابق ہر ایک قسم کی سیاسی۔ قانونی۔ اور معاشرتی اصلاح عمل میں لائے پہلے چار خلفائے اسلام کو قوانین سازی کے معاملہ میں مکمل خود مختارانہ اقتدار حاصل تھا۔ اسلام کے قوانین میں جو اس وقت تک نامکمل حالت میں تھے اُنھوں نے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اپنی خواہش کے مطابق ترمیم کی۔ وہ قوانین مذہبی کے مطابق صرف
انتظام وحکمرانی ہی نہیں کرتے بلکہ وہ اُن کے مصنف ہونے کے
ساتھ ہی ساتھ اُن کے مترجم وشارح بھی تھے۔ سلطان ترکی
خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہر اُس قانون میں جو موجودہ حالت
میں مناسب وقابلِ عمل نہیں۔ دلائل واحکام قرآنیہ کے مطابق
ترمیم وتنسیخ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ سلطان المعظم نے فرقہ حنیفہ کے
اُن قوانین کی مخالفت میں جن کا تعلق انتظام سلطنت سے تھا
نئے قوانین شائع کیے تھے۔ چند دیگر سلاطین نے بھی ایسا ہی کیا
ہے۔ سلطان المعظم کو اس معاملہ میں حنفی علماء کی منظوری ورضامندی
بھی حاصل ہوگئی تھی۔ خلیفہ کا اقتدار کسی خاص سرحد کے اندر محدود
نہیں۔ بلکہ تمام مسلمانوں پر خواہ وہ کہیں رہتے ہوں جاری و
ساری ہے اس لیے اگر اس کے احکام وقوانین تمام مسلمانوں کے لئے
مقصود ہیں تو اُس کی پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے جب کہ
شریعت اسلامیہ میں خلیفہ کا اقتدار اس قدر وسیع ہے تو پھر
تمام مسلمان خواہ وہ کسی دوسرے حکمران کے ماتحت کیوں نہ ہوں
ہر ایک قسم کے معاملات یہاں تک کہ سیاسیات میں بھی خلیفہ
کے احکام وقوانین کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ اسلام میں سیاسیات
اور مذہب دونوں متحد اور آپس میں ملے جلے ہیں۔ خلافت کے
ساتھ سیاسی اور دنیوی وفاداری اور فرماں برداری بھی

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

شرط ہے۔ کیونکہ خلیفہ پیغمبر اسلام کی صرف مذہبی پیشوائی کا ہی نہیں بلکہ اُن کے سیاسی اقتدار کا بھی وارث ہے۔ پیغمبر صلعم نے اپنے میں بادشاہی اور مذہبی و روحانی پیشوائی کے دو مناصب کو جمع کر دیا تھا۔ چنانچہ اسلامی حکمرانی کی یہ صورت اس وقت تک اسی طرح قائم چلی آ رہی ہے۔ خلیفۂ اسلام ہمیشہ سے اس وقت تک اگر خدا کا نائب نہیں تو کم سے کم پیغمبر اسلام کا سیاسی اور دنیاوی جانشین ضرور مانا جاتا ہے۔ خلیفہ کا اقتدار صرف حکومت کے سیاسی معاملات ہی پر نہیں۔ بلکہ مذہبی اور معاشرتی اور ملکی امور پر بھی رہا ہے۔ جس طرح اُسے سرحدوں کی حفاظت کرنی لازمی ہے۔ اسی طرح مذہب کا تحفظ بھی اس کا فرض ہے۔ اس لیے آئین اسلامیہ کے مطابق خلیفہ اعلیٰ ترین حکمران افسر ہے۔ مختصر الفاظ میں وہ اسلام کی تنظیم کرتا ہے اور احکام جاری کرتا ہے۔ یہ احکام عام مسلمانوں کی رضامندی سے طے پاتے ہیں۔ جن کا اظہار فوری طور پر علماء کے ذریعہ اور آخیر میں بالواسطہ طور پر عوام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ زمانہ حال کا ایک بہت بڑا ماہر سیاست والٹر بیگاٹ کہتا ہے یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ انسان میں اطاعت شعاری کا مادہ کس طریقہ سے پیدا کرنا چاہیئے اور اس اطاعت شعاری سے کام لینا کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس اطاعت شعاری کے حاصل کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ یگانگت پیدا کی جائے۔ اتحاد نہیں بلکہ مذہب اور

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

حکومت میں یکسانیت پیدا کرنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر ارنلڈ ہمیشہ یہ تعلیم دیتے رہے کہ یہ یگانگت مطابقت موجودہ گمراہ دنیا کے لیئے خضر راہ ہے۔

ہیگاٹ کہتا ہے کہ طاقت واقتدار کی کوئی تقسیم خطرہ بلکہ تباہی سے خالی نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیئے کہ مذہبی جماعت (طبقۂ علماء) تو کچھ تعلیم دیتی ہو۔ لیکن بادشاہ کچھ الگ حکم صادر کرتا ہو دونوں کو ایک ہی بات کہنی چاہیئے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی ہیں عقوبت آخرت اور سزائے قانونی کے فرق کو ہرگز زیادہ بین اور روشن نہ کرنا چاہیئے۔ بالیقین قدمائے یونان و روما اُس کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ جیسا کہ اس وقت کے ایک زبردست ماہر سیاست کا خیال ہے۔ اسلام نے اس کا دعظ صدیوں تک کیا ہے اور اس پر ہمیشہ عامل رہا ہے۔ ہمارا مفہوم غلط نہ سمجھ لیا جائے۔ خلیفہ کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ وہ امام بھی ہو۔ وہ اوروں کی طرح گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اور اسے اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح اُسی شرعی قانون کا پابند ہونا ضروری ہے۔ اکثر مسلمان علماء مثل ابو اسحاق طبری کے خود ذات پاک نبوی کو گناہ کی کمزوری سے منزہ و مبرا نہیں سمجھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کی قوم کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا لیا۔ لیکن ان سے زیادہ کسی نے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

انکساری نہیں کی۔ آپ نے بالاعلان فرمایا کہ تم ہی جیسا میں بھی ایک انسان ہوں اور بالکل تمہاری ہی طرح میرے گناہوں کی معافی بھی خدائے برتر کے ترحم پر موقوف ہے۔
الموردی جو خلیفہ القادر عباسی کے زمانہ میں سب سے پہلا فقیہہ گذرا ہے کہتا ہے کہ خلیفہ کوئی ممتاز درجہ نہیں رکھتا ہے نظریہ میں وہ سلطنت کے دوسرے ارکان کی مثل ہے ایک معمولی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔
خلیفۂ دوم پر ایک مرتبہ مال غنیمت سے ایک بڑا حصّہ لینے کا الزام عائد ہوا تھا اور اُن کو اپنی صفائی قوم کے سامنے پیش کرنی پڑی تھی۔ انصاف کے معاملہ میں خلیفہ کی کارروائیوں پر ہر مسلمان نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو ایک بار ایک بڑھیا نے سختی سے ٹوکا تھا اور کہا تھا کہ قرآن پاک کی ایک آیت کا مطلب جو انھوں نے بیان کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ فاروق اعظم نے اِس کے دلائل کو غور کے ساتھ سنا اور اِسی کے کہنے کے مطابق فیصلہ کیا۔ الموردی نے مسلمانوں کی جماعت کو دو حصّہ میں بانٹ دیا ہے۔
نمبر ۱۔ انتخاب کرنے والے نمبر ۲۔ انتخاب کیے جانے والے انتخاب کرنے والوں کی تعریف حسب ذیل ہے۔
(۱) نیکنام ہو (۲) رموزِ سلطنت سے آگاہ ہو۔ (۳)

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ژرف نگاہ ہو اور قوت فیصلہ رکھتا ہو یہاں پر یہ ظاہر کرنا بیموقع نہ ہوگا کہ انتخاب کنندہ کی مالی حیثیت کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔
امیدوار خلافت میں مندرجہ ذیل صفات کا ہونا لازمی ہے۔
(۱) بیداغ چال چلن رکھتا ہو۔
(۲) اخلاقی اور جسمانی کمزوریوں سے پاک ہو ترکی سلطان مراد کو اس کے اخیر زمانے میں اس کمی کی بنا پر معزول کر دیا گیا تھا۔
(۳) دور اندیشی رکھتا ہو جو لازمۂ فرماں روائی ہے۔
(۴) بلند ہمت ہو کہ سلطنت کی حفاظت کر سکے۔
(۵) پختہ عمر ہو
(۶) از قسم ذکور ہو۔
خوارج کا عقیدہ ہے کہ ایک عورت بھی خلیفہ ہو سکتی ہے۔ انتخاب کرنے والے کا حق ہے کہ خلیفہ کی معزولی کا مطالبہ کرے۔ وہ اس مضمون پر بعد نماز کے مومنین کے سامنے مسجد میں تقریر کر سکتا ہے یہ ذہن نشین رہے کہ مسجد مسلمانوں کے لیے دار الندوہ ہے اور فریضۂ پنجگانہ کی عبادت کو مسلمانوں کی سیاسی زندگی سے قرابت قریبہ ہے۔ لہذا یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کہنا کہ مسجد کا مقصد صرف اس میں نماز ادا کرنا ہے بالکل غلطی پر مبنی ہے کسی ایسے سوال پر جس کو مذہب یا مسلمانوں کی قومیت سے تعلق ہو مسجد میں بحث ہو سکتی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کی تاریخیں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اس طرح کے واقعات اور مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ اس زمانہ میں ساری باتیں جو خاصتاً سیاست سے تعلق رکھتی ہیں مسجد ہی میں بحث و مباحثہ کے بعد فیصل ہوا کرتی تھیں۔ اہل عقد کا انتخاب کرنا لوگوں کا کام تھا۔ اور کوئی شخص اپنے کو خلیفہ منتخب کیے جانے کا دعویٰ نہ کرتا تھا۔ انتخاب کے لیے کشمکش اور انتخاب کرنے والوں کو اپنے ہم نوا بنانے کی کوشش نہیں ہوتی تھی سب سمجھتے تھے کہ انتخاب کرنے والے خود کسی قابل اور اہل کا انتخاب کریں گے

قریش

اس مسئلہ کو کہ "خلیفہ اہلِ قریش سے ہو" لوگ صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ خلیفہ قبیلہ قریش سے ہوگا لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تک کہ وہ مذہب کے قیام کی حفاظت کریں۔ یہ فقرہ ایک حکمِ شریعت ہونے کے بجائے ایک زبردست پیشین گوئی کا پہلو رکھتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن یہ اُس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ جب کہ قبیلہٗ قریش کا رعب و اقتدار تمام قبائل عرب بغیر چون و چرا مانتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ اُس وقت کہا تھا جب آں حضرت کی وفات کے بعد مدینہ والوں نے دعویٰ کیا تھا کہ خلیفہ مدینہ والوں میں سے ہونا چاہیئے۔ اگر خلافت کو

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

قبیلۂ قریش میں محدود کر دینا ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ فرماتے کہ قریش حامل بارِ خلافت رہینگے صرف اُس وقت تک جب تک کہ وہ دین کی حفاظت اور پرداخت کریں گے ورنہ بعد ازاں یہ دوسروں کے ساتھ وابستہ ہو جائیگی۔

امام احمد سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اگر ابو عبیدہ میری موت تک زندہ رہے تو میں اُن کو خلافت کے لیے نامزد کروں گا ورنہ معاذ ابن جبال خلافت کے لیے نامزد کیے جائینگے اور ان دونوں میں سے ایک بھی قبیلہ قریش سے نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کا ایک دوسرا قول ابو رافع کی روایت سے یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر سلیم ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام زندہ ہوتا تو میں اس پر کسی دوسرے کو فوقیت نہ دیتا۔

حضرت امام رازی کا قول شرح مقاصد میں جو فقہ اسلام کی ایک مشہور کتاب ہے درج ہے۔ خلافت اسلام کی مذہبی اور دینوی امامت ہے اور یہ ہر مسلمان کو دی جا سکتی ہے۔

ابن خلدون مشہور مورخ لکھتا ہے کہ خلافت کسی معنی میں بھی قریش کے لیے محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ اُسامہ بن زید ایک غلام تھے ایک محارب دستہ فوج کی افسری پر معمور کر کے خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ایک مہم پر بھیجے گئے حضرت ابوبکرؓ اور اکثر دوسرے صحابہؓ کرام آپ کی ماتحتی میں تھے۔ جب لوگ حرف شکایت زبان پر لائے تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اسامہ ہی اس کا اہل ہے[1]۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ اگر زید زندہ ہوتے تو اُن کے سوا رسولؐ خدا کا خلیفہ کوئی اور نہ ہوتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود آں حضرت کے نزدیک بھی اہلیت اور صلاحیت ہی خلافت کے عہدہ پر سرفرازی کے لیے شرط واحد تھی اور فی الحقیقت اس کے سوا کوئی دوسری بات ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ اسلام جمہوریت کی تعلیم لیکر آیا ہے۔ آنحضرت صلعم اولاد آدم کے مساویانہ حقوق کی منادی کرنیکو مبعوث ہوئے۔ ایسی حالت میں خلافت کو ایک خاص قبیلہ کے ساتھ محدود کر دینا تعلیم قرانی کے کس درجہ منافی ہوگا۔ یہ گویا اسلام کے بنیادی اصول ہی کو سرنگوں کر دینا ہے۔

اہل تشیع اور اہلِ سُنت والجماعت

سُنّی اور شیعوں کے درمیان نفس خلافت کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان دونوں جماعتوں میں طریقۂ امیدواری کے بارہ میں اختلاف ہے۔ لیکن جب کہ ایک خلیفہ مقرر ہوگیا تو سبھوں پر اُس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اُس نقطہ پر آکر

---

[1] ان اسامہ لہا اہل۔

دونوں جماعتیں ہم خیال ہو جاتی ہیں۔ شیعان علی پہلے
تین خلیفوں کے انتخاب کو جائز نہیں سمجھتے۔ اگر مذہبی اصول کی
بنا پر جب کسی آمر کا تسلط ہو جائے اور جمہور اُس کو مان لے تو
اُس کی اطاعت واجب ہو گی۔ حضرت علی نے خود اپنے پیش
رووں کی بیعت کی۔ حضرت امام حسین کے واقعہ میں بھی
اکثر وں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کربلا کی جنگ عظیم کے وقت تک
یزید کی خلافت کلی طور پر تسلیم ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں نے اُس کو
خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت امام کی خواہش مدینہ سے
روانگی کے وقت ہرگز جنگ کرنے کی نہ تھی۔ یزیدی فوج کے
سپہ سالار ابن سعد کی ناشائستہ حرکتوں نے آپ کو حفاظت
خود اختیاری کے لیے تلوار اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔

منتخب شدہ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں بہت سی مذہبی
فلاح مضمر تھی۔ اور اس سے خلیفہ کے ذاتی تقدس میں اضافہ
ہوتا تھا۔ اور اس سے قول "آوازۂ خلق نقارۂ خدا" کا تازہ
اعلان ہو جاتا تھا۔ مذہبی تقدس جو بیعت سے منسوب تھا اُس کی
بنیاد اس عقیدہ پر تھی۔ کہ جملہ قواعد و ضوابط جو جماعت مسلمین کی
افعال و اعمال کو مقید کرتے ہیں وہ خدا کی آواز کا اظہار ہیں۔
اسی کا نام اجماع الامت ہے جب کہ سب کے سب متفق الرائے
ہو کر ایک مذہبی پیشوا چن لیتے ہیں تاکہ وہ حاملان دینِ اسلام کی

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

سرداری کرے تو اُس کے مذہبی اقتدار پر مہر الٰہی ثبت ہو جاتی ہے
وہی حکومت جائز کا مبدء اور منبع ہو جاتا ہے اور صرف اُسی کو حق
حاصل ہوتا ہے کہ تمامی مسلمین کی اطاعت اُس کے ساتھ وابستہ ہو
خواہ سُنّی ہوں یا شیعہ۔ پس اس سے تمام و کمال ثابت ہو گیا کہ
مسلمانوں کی اُن دو بڑی جماعتوں کے درمیان خلافت عثمانیہ
کے مسلمہ مسئلہ ہونے کے بارہ میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا

خلیفہ کی اطاعت

اسلام نے خلیفہ کی اطاعت کو اسی طرح واجب قرار دیا ہے جس طرح کہ خدا اور خدا کے رسول کے
احکام کی اطاعت لازمی اور ضروری ہے۔ ایک مسلمان پر ضروری
ہے کہ وہ خلیفہ کے احکام پر چلے۔ بشرطیکہ اُس کے احکام خدا اور خدا
کے رسولؐ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ خلیفہ کی نافرمانی خدا اور
خدا کے رسول کی ناخوشنودی کا باعث ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ سے ایک
حدیث مروی ہے۔ من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم
القیامۃ جس نے خلیفہ کی اطاعت سے انکار کیا وہ قیامت کے
دن بخشا نہ جائیگا۔ ایک دوسری مستند حدیث ہے "من حمل
علینا السلاح فلیس منا"، (اگر ایک مسلمان کافروں کا ساتھ
دیکر دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائے گا تو وہ انہیں
میں سے سمجھا جائے گا) ایک باغی کی نسبت خدا کے رسولؐ کا
یہی فیصلہ ہے۔ اگر مسلمان شریف حسین کو بُرا سمجھتے ہیں تو کوئی تعجب نہیں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

امام کی ضرورت

حدیث و قرآن دونوں کی رو سے امام کی ضرورت ثابت ہی جیسا کہ قرآن میں آیا ہی اطیعو اللّٰہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جو اطاعت اور ضرورت امام کی تعلیم دیتی ہیں۔
بغیر کسی امام کے آئین و احکامات الٰہی کی تعمیل ناممکن ہی۔ مذہب کی مکمل حفاظت نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی ذمہ داری کسی ایک یا ایک سے زائد اشخاص کو سپرد نہ کر دی جائے۔ آئین و امن کی اشاعت و قیام کا واحد ذریعہ یہ ہی کہ انتظام و ذمہ داری ایک ایسے واحد شخص کے سپرد کر دی جائے جو متقی۔ عالم اور لائق منتظم ہو اور قوانین کو جاری کرنے اور مذہب کے تحفظ کی کافی قوت رکھتا ہو۔ احکام قرانیہ کے بموجب کوئی شخص اس وقت تک خلیفہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ دنیا میں اُسے کافی اقتدار حاصل نہ ہو تاکہ وہ احکام شریعت کی تعمیل و اجراء اور مذہب کی حفاظت کر سکے۔ اس لیے مسلمانوں کے امام کو کسی غیر مسلم طاقت کا بندہ نہیں ہونا چاہیے بقول مسٹر ولفرڈ اسکاون بلنٹ کے ایک ایسے خلیفہ کو جو خود عیسائیت کا حلقہ بگوش ہو اسلام ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔ سلطان کی کامل آزادی کا مطالبہ فطری نتیجہ ہی اُن لوازم شریعت اسلامیہ کا جن کا تعلق امامت اور جواز عبادت سے ہی۔ شریعت کا تقاضا یہ ہی کہ امام اعلیٰ اور عوام (مقتدی) کے درمیان ایک روحانی تعلق و قربت

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

پیدا ہو جائے۔ اگر امام ایک خود مختار حکمراں نہیں ہے تو یہ تعلق و قربت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور عبادت (نماز) لازمی طور پر باطل ہو جاتی ہے

(سید امیر علی)

مسلمانوں کی وفاداری مشروط

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا خلیفہ کے دنیوی اقتدار کو ہندوستان نیز دیگر اسلامی سلطنتوں کے حکمراں ور عایا نے تسلیم کیا ہے یا نہیں۔ اُن لوگوں کو جو اس مسئلہ پر سند و اقتدار رکھتے ہیں۔ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرنا چاہیے کیونکہ اس پیچیدہ مسئلہ کا حل کہ آیا خلافت کے لیے مذہبی وفاداری کے ساتھ دنیوی اطاعت بھی ضروری ہے یا نہیں اسی پر منحصر ہے۔ ایک مسلمان یا غیر مسلم حکمران اپنے ماتحت مسلمان رعایا کی وفاداری حاصل نہیں کر سکتا اگر وہ وفاداری ان کے امام کی وفاداری میں کسی طرح کی رخنہ اندازی پیدا کرتی ہو۔ اصول محض صاف اور سادہ ہے۔ خدا اور مذہب کی وفاداری کو کسی خالص دنیاوی حکمراں کی وفاداری پر ہمیشہ ترجیح دینی چاہیے۔ جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے مسلمانوں کے یہاں خلیفہ کی اطاعت و وفاداری کے معنی خدا کی اطاعت و وفاداری ہے۔ شریعت اسلامیہ کے بموجب مسلمانوں کا کوئی حکمران خلیفۂ اسلام کے اقتدار کی مخالفت میں مسلمانوں سے قانوناً اور جائز طور پر اطاعت کی امید نہیں رکھ سکتا۔ اگر کوئی

مسلم یا غیر مسلم حکمراں اپنی مسلم رعایا سے اطاعت و وفاداری کا خواہشمند ہو تو اسے چاہیے کہ خلیفۂ اسلام و امیر المومنین سے دوستانہ مراسم رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں حقوق خلافت کے متعلق سیاسی و مذہبی مباحث بہت اہم ہیں۔

خلافت کی سیاسی اہمیت اس قدر زبردست تھی کہ اس وقت بھی جبکہ خلیفہ اپنی تمام دنیوی اور سیاسی طاقتیں کھو چکا تھا۔ بڑے بڑے فاتح اور سردار اپنی حکومت و طاقت کی منظوری کے لیے اس سے استدعا کرتے تھے۔ خلیفہ کا فرمان منظوری ان کے اقتدار کو جائز بنا دیتا تھا۔ ان کے مفتوحات و ممالک کی جائز حکومت ان کے سپرد کر دیتا تھا اور ان کے خلاف ہر قسم کی بغاوت عامہ کو ناجائز اور خلاف مذہب قرار دیتا تھا۔ یہ فرمان ایک سند کی صورت میں خلعت کے ساتھ عطا ہوتا تھا۔ دوسرے ممالک کے مسلمان حکمران خلیفہ کو اپنا شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اس کا نام اپنے سکوں پر کندہ کراتے تھے اور جمعہ اور عید کی نماز میں خطبہ میں اس کا نام لیتے تھے۔ نظری طور پر اسلام کی غیر منقسمہ حکومت کا فسانہ تاریخ اسلام کے مختلف دور میں قائم رہا۔ اسے اتنی اہمیت دیجاتی تھی کہ پیغمبر صلعم کے انتقال کے وقت مدینہ کے مسلمان آپ کی تجہیز و تکفین کے پیشتر ہی خلیفہ کے انتخاب میں مصروف ہو گئے تھے۔ خلیفہ اور امیر المومنین کا نام ہمیشہ نہایت

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ادب و احترام سے لیا جاتا تھا۔ اُس وقت بھی جبکہ خلافت تباہی کے سمندر میں غرق ہوگئی تھی اور اپنے گذشتہ شان و شوکت کی بربادیوں سے گھری ہوئی تھی تمام اسلامی دنیا کی نظروں میں اسے غائت درجہ کی عزت و وقعت حاصل تھی۔

خلافت کے اقتدار اور شان کا لوگوں کے دل و دماغ پر اس قدر گہرا نقش قائم ہوگیا تھا کہ سلطان محمود غزنوی جیسا طاقتور بادشاہ بھی باقی باللہ جیسے نام نہاد خلیفہ کے سفیر کے استقبال کے لیے (جو سلطان کے لیے خلیفہ کی طرف سے خلعت اور امین الدولہ کا خطاب لایا تھا) ایک میل پا پیادہ گیا۔ سلطان محمود کے بعد بھی غزنی کے حکمران اس حقیقت کے اظہار کے لیے کہ انھیں طاقتِ حکمرانی خلیفہ ہی کی طرف سے عطا ہوئی ہے خلیفہ کا نام اپنے سکوں پر برابر کندہ کراتے رہے۔ محمد بن قاسم نے آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں سندھ فتح کیا۔ مفتوحہ رعایا میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ خلفائے بنی امیہ کے مذہبی اور دنیوی اقتدار کو برابر تسلیم کرتے رہے۔ ہندوستان کے غزنوی حملہ آور اپنے ساتھ خلافت بغداد کے روایتیں ضرور لائے ہوں گے۔ چنانچہ اس ملک (سندھ) کے لوگ ابتدا ہی سے خلافت کی طاقت اور اس کے مذہبی تقدس و اقتدار سے واقف تھے۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے بانی محمد بن سام کے سکوں میں اُس وقت کے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

خلیفہ کا نام موجود ہی۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی کثیر تعداد شاہ ہمایوں کے دورِ حکومت تک صرف خلیفہ کا اقتدار ہی تسلیم نہیں کرتی تھی بلکہ اُن کا نام اپنے سکوں پر کندہ کراتے تھے اور اس طرح خلیفہ کو تمام اعزاز۔ طاقت و اقتدار کا منبع تسلیم کرتے تھے۔ انھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ کوئی بادشاہ یا حکمران اس وقت تک اپنی بادشاہانہ طاقت کا استعمال نہیں کر سکتا جب تک کہ خاندان عباسیہ کے کسی خلیفہ سے اسے فرمانِ حکومت نہ مل جائے اور یہ کہ ہر ایک بادشاہ جس نے اس کے بعد کسی ایسے فرمان کے بغیر حکومت کی یا آیندہ کرے گا اس کو مغلوب ہو کر اپنی حکومت و طاقت سے دست برداری کرنی پڑے گی۔[۱]
شمس الدین التمش جس نے ہندوستان میں سلطنت اسلامیہ قائم ہونے کے چند ہی سال بعد حکمرانی کی۔ اس نے بغداد کے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ سے ۶۲۶ھ میں سندِ حکومت حاصل کی تھی وہ نائب خلیفۃ الاسلام کہلائے جانے پر فخر کرتا تھا۔ جیسا کہ اس کے خطاب "السلطان المعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر التمش یمین خلیفہ اللہ ناصر امیر المومنین"[۲] سے ظاہر ہی پھر ۷۴۴ھ میں مصری خلیفہ نے محمد بن تغلق کو سندِ حکومت عطا کی۔ سلطان نے خلیفہ کے سفیر

۱؎ برنی جلد ۳ صفحہ ۲۴۹ ۲؎ طبقات ناصری صفحہ ۱۶۵

کا بڑے تزک و احتشام سے استقبال کیا۔ مصنف تاریخ فیروز شاہی لکھتا ہے کہ اس تاریخ سے عام حکم دید یا گیا کہ خطبہ میں جب بادشاہوں کا نام لیا جائے تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا جائے کہ انھیں اقتدار اور فرمان حکومت خلفائے عباسیہ سے ملا ہے جن بادشاہوں کو اس قسم کا فرمان حکومت نہیں ملا ان کا نام خطبہ سے خارج کر دیا جائے اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ تمام بادشاہ خلیفہ کے ماتحت ہیں سلطان محمد بن تغلق نے نائب خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ہندوستان کے نیکدل حکمراں فیروز شاہ کو بھی مصری خلیفہ کی طرف سے خلعت اور سند عطا ہوئی تھی۔ وہ خلیفہ کے سفیر کے استقبال کے لیے اپنے اراکین سلطنت کے ساتھ ننگے پاؤں گیا۔ ہندوستان کے بادشاہ خلیفہ کی طرف سے عطا کیے ہوئے خلعت اور سندِ حکومت کو سب سے بڑی عزت تصور کرتے تھے جیسا کہ نادرشاہ نے خود لکھا ہے "من چہ ایں مرتبہ دارم کہ جامہ از حضرت خلیفہ التماس کنم"۔ دوسری جگہ کہا ہے حضرت اللہ تبارک و تعالیٰ و قدرت اعلیٰ در دل خلیفہ الہام کرد تا بغیر واسطہ التماس فیروز شاہ از درگاہ حضرت خلافت جامہ رسید" سنہ ۱۵۲۰ء تک تمام مسلمان بادشاہوں کے سکوں پر خلیفہ کا نام کندہ ہوتا تھا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ خلیفہ کے اقتدار کو صرف عام مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ کسی مسلمان بادشاہ نے بھی کبھی اس سے

لے تاریخ فیروز شاہی جلد ۳ صفحہ ۲۴۹ - ۲۵۰ -

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ٹرا کوئی دعویٰ پیش نہیں کیا کہ وہ خلیفہ کے نائب کی حیثیت سے حکمرانی
کرتا ہے اگر اس رواج اور قاعدہ میں اکبر کے دور حکومت ہند میں
کوئی عارضی نقصان واقع ہوا تو اس کی وجہ ظاہر ہے۔ وجہ یہ تھی
کہ اکبر خود ایک طرح کی طاقت الٰہیہ کا دعویدار تھا اسی باعث سے
مسلمانان ہند اکبر کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

اب بحث یہ ہے کہ سلطان ٹرکی کو دیگر ممالک اسلامیہ خصوصاً
ہندوستان میں کس وقت سے خلیفہ تسلیم کیا جانے لگا۔ سولہویں
صدی عیسوی میں فتح مصر کے بعد سلیم صرف اس حکومت اسلامیہ
کا جس کو اس نے بزور شمشیر قائم کیا تھا حکمران ہی نہیں بلکہ تمام
دنیائے اسلام کا مذہبی مقتدا مانا گیا۔ لین پول کہتا ہے کہ ایران
کے شیعہ خواہ اس کے دعوے کو تسلیم نہ کریں۔ لیکن واقعہ یہ ہے
کہ اُس وقت سے ہندوستان۔ ایشیا کے تمام دیگر علاقے اور
افریقہ جہاں خلافت تسلیم کی جاتی تھی سلاطین عثمانیہ کو اسلام کا
مذہبی مقتدا اور خلافت کے روحانی اقتدار کا باعث قرار دینے لگے
آگے چل کر مذکورہ بالا فاضل مورخ کہتا ہے کہ یہ جانشینی خلافت سلاطین
عثمانیہ کے احکام و فرامین میں ہمیشہ اُس وقت تک ایک قسم کا حقیقی
اور اہم اقتدار پیدا کرتی چلی آئی ہے۔ یہ ہے شہادت اس انگریز کی جو
ایک مشہور مورخ مانا جاتا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی سے ادنیٰ
سے ادنیٰ بھی سلاطین عثمانیہ کے دعویٰ خلافت کو گجرات کے حکمران اسد

چین، کولمبو۔ جزائر سماترا۔ جاوا اور جزیرہ نمائے ملایا کے تمام مسلمان تسلیم کرتے تھے۔ مسلمانان ہند نے بھی سلطان ٹرکی کو برابر خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ ہندوستان میں بارہویں صدی ہجری کے مشہور مجتہد حضرت شاہ ولی اللہ نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب تفہیمتہ الاحیا میں بھی کیا ہے۔ یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ سلیم اول نے متوکل سے منصب خلافت ۱۵۱۷ء میں حاصل کیا۔ اس کے چند ہی سال بعد ۱۵۳۳ء میں جب ہمایوں نے گجرات کے حکمراں بہادر شاہ پر حملہ کیا تو اس نے فوراً ایک سفیر سلطان سلیم اعظم کی خدمت میں روانہ کیا اور خلیفہ سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ ۸۰ جہازوں کا ایک جنگی بیڑا ۱۵۳۸ء میں بھیجا گیا۔ جس نے ایک کامیاب جنگ کے بعد پرتگالیوں سے دو قلعے کوگل اور کٹ چھین لیے۔ اس کے بعد یہ بندر ڈڈو کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن بہادر شاہ کے بیٹے ملک محمود نے جو اس زمانہ میں گجرات کا حاکم تھا سامان خوراک اور نیز دیگر امداد کی ارسال سے انکار کیا اور عثمانی کمانڈر کو مجبور ہو کر واپس ہونا پڑا۔ اس کے بعد سے برابر سلطان سلیم اعظم ہندوستان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ درحقیقت وہ اس زمانہ کے تمام مشرقی اسلامی حکومتوں کو خلافت کے زیر اقتدار لانا چاہتا تھا اور بحر عرب اور خلیج فارس میں اس کے تگ و تاز کی یہی وجہ تھی۔ وہ مسلمانوں کا روحانی مقتدا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ تمام

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اسلامی دنیا اسے اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرے۔ چنانچہ مکہ کے
تقدس مآب فقہا اور علمار کے فتوے۔ سفرار چین۔ ہندوستان
اور افغانستان کی طرف بھیجے گئے۔ چونکہ سلطان ٹرکی کا نام اور
اُس کی قوت عام طور پر ہر جگہ مشہور تھی اور اُس کی حکومت کی روز
افزوں ترقی کا قصہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔ اس لیے لوگ اس کے
حقوق خلافت کے بہت جلد قائل ہو گئے۔ عثمانی بیڑے کے کمانڈر
سیدی علی رئیس نے (جو ہرمز کو پرتگالیوں سے چھیننے کے لیے بھیجا
گیا تھا) اپنی سیاحت ہند افغانستان و فارس کے دلچسپ حالات
و واقعات بیان کیے ہیں یہ بیڑا ساحل گجرات پر لنگر انداز ہوا اور
جب مسلمانانِ سورت نے انھیں (ترکوں کو) آتے ہوئے دیکھا
تو بڑی خوشی منائی۔ اس کتاب کا نام مراۃ الممالک ہے۔ اس کا
ترجمہ جوہیری فریڈرک فان ڈیز نے جرمنی زبان میں کیا ہے اور
جو ابتدا میں اس کی کتاب "ڈن ورڈ بگ" کیٹن فان اسپین میں
شائع ہوا تھا ہمارے پیش نظر ہے سیدی علی رئیس کے بیان کردہ
حالات سے ہمارے موجودہ مبحث پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔

ہندوستان میں وہ جہاں گیا وہاں کے مسلمانوں نے بادشاہ
اسلام (سلطان ٹرکی) کے سفیر کی حیثیت سے اس کی بڑی خاطر
مدارات کی۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اس جوش و
خروش سے اس کا استقبال کیا کہ وہ خود اس پر اظہار تعجب کرتا ہے

اُنھوں نے اس کے سامنے ایڈریس پیش کیے۔ جس میں بادشاہ اسلام کے ساتھ وفاداری و اطاعت کا اظہار کیا۔ سیدی علی رئیس کہتا ہے "جب میں گجرات میں تھا تو وہاں سلطان اس کے وزیر اعظم عماد الملک اور دیگر اراکین سلطنت سے میری ملاقات ہوئی۔ سلطان جس کے آگے میں نے اپنی سند پیش کی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ہمارے پادشاہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا مجھے یقین دلایا" ایک دوسرے ہندوستانی رکن سلطنت نے ایک مرتبہ کہا" ہم لوگ سلطان ترکی سے کسی طرح جنگ نہیں کرسکتے۔ ہم کو اس کی (سلطان ترکی) کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی دنیا کا بادشاہ ہے۔

اسی کتاب میں خطبہ اور خلافت کے متعلق شہنشاہ ہمایوں اور ترکی امیر البحر کا ایک دلچسپ مکالمہ درج ہے جو بہت طویل ہے ہم مختصراً اس موقعہ پر صرف ایک دو واقعات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

دوران مکالمہ میں امیر البحر نے شہنشاہ ہند کو مطلع کیا کہ چین کے بعید علاقوں میں بھی اس کے بادشاہ کا نام خطبہ میں شامل کرلیا گیا ہے۔ چین کے مسلمانوں نے خاقان چین سے درخواست کی کہ وہ انھیں ترکی سلطان کے نام کو خطبہ میں شامل کرنے کی اجازت دے کیونکہ وہ مکہ مدینہ اور قبلہ کا بادشاہ ہے۔ خاقان اگرچہ غیر مسلم تھا۔ لیکن اس نے درخواست کو انصاف پر مبنی سمجھکر

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

منظور کر لیا۔ بلکہ اس نے یہاں تک مہربانی کی کہ خطیب کو خلعت پہنا کر ہاتھی پر سوار کر کے تمام شہر میں گشت کرایا" کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کی خبر گجرات کے تاجر چین سے لائے اور سیدی علی رئیس سے اس کا انھوں نے ذکر کیا چنانچہ سیدی علی رئیس لکھتا ہے کہ اُس وقت سے بادشاہ ٹرکی کا نام برابر خطبہ میں داخل چلا آتا ہے۔ ایک دوسرے موقعہ پر شہنشاہ ہمایوں نے امیر البحر سے پوچھا کہ کیا خان کریمیا بھی سلطان ٹرکی کا ماتحت ہے؟ جب اس کا جواب اثبات میں دیا گیا تو اسے کہا کہ اگر ایسا ہے تو اسے خطبہ کا حق کیونکر حاصل ہے؟ امیر البحر نے جواب دیا کہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ صرف میرے بادشاہ کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کو چاہے خطبہ کا حق عطا کر دے۔ سید موصوف کہتا ہے کہ اُس کے اس جواب سے لوگوں کو اطمینان ہو گیا اور ہمایوں نے اپنے امرا کو مخاطب کر کے کہا " یقیناً اگر بادشاہ (خلیفہ) کے خطاب کا کوئی شخص جائز حقدار ہو سکتا ہے تو وہ سلطان ٹرکی ہے۔ دنیا میں صرف وہی اُس کے قابل ہے اور کوئی دوسرا نہیں"۔ اس کے بعد بادشاہ اور اُس کے اراکین دولت نے خلیفۂ اسلام ترکی کے لیے دعا مانگی۔ اس کے بعد سیدی علی رئیس بلوچستان کے مغربی ساحل پر گادور کے بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا۔ وہاں کا حکمران جلال الدین بن ملک دینار تھا۔ گادور کا حاکم جہاز پر آیا اور خلیفۂ اسلام (سلطان ٹرکی) کے ساتھ وفاداری کا یقین دلایا۔ اکبر نے دنیائے اسلام کے مذہبی اقتدار پر قبضہ کرنا

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

چاہا اور اپنی رعایا سے یہ خواہش کی کہ وہ اسے خلیفہ سمجھیں۔ اس نے
حضرت سلطان الاسلام خلیفۃ الانام اور امیر المومنین کا لقب اختیار
کیا۔ اکبر کی روحانی نیز دنیوی پیشوا ہونے کی خواہش کا اظہار
ابوالفضل کے باپ شیخ مبارک کی اُس تحریر سے ہوتا ہے جس کے
چند جملے یہ ہیں "اس لیے اگر آئندہ کبھی کوئی مذہبی مسئلہ درپیش ہو
جس کے متعلق علماء اور مجتہدین کی رایوں میں اختلاف ہو اور حضرت
اعلیٰ (اکبر) قوم کے فوائد اور سیاسی ضروریات کے لحاظ سے
ان میں سے کسی رائے کو قبول کرنا چاہیں تو انھیں کامل آزادی
حاصل ہو۔ لیکن اس کے ان فرضی دعاوی کا مسلمانوں پر کوئی اثر
نہ ہوا اور اسے اپنے ارادہ باطل میں محض ناکامیابی نصیب ہوئی
اکبر کے زمانہ کے بعد سے مغلیہ بادشاہوں کا خلافت عثمانیہ کو
تسلیم کرنا نہیں پایا جاتا۔ شاید اس کا یہ سبب ہو کہ وہ ترکی بادشاہوں کو
اپنے سے کمتر سمجھتے تھے کیونکہ ۱۴۰۲ء میں تیمور نے عثمانیہ سلطنت کو
شکست دی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ سلاطین عثمانیہ کے ساتھ
مغل بادشاہوں کا برتاؤ غرور آمیز تھا لیکن سوا اکبر کے اور کسی دوسرے
بادشاہ نے کبھی دعویٰ خلافت نہیں کیا۔ ان کی مسلمان رعایا
ہمیشہ ترکی بادشاہوں کو خلیفۂ جائز سمجھتے رہے۔ ہند کے جو مسلمان
مکہ محترمہ کو جاتے وہ خطبہ میں سلطان ٹرکی کا نام سنتے اور اسی کے
سیادت و امامت کے تحت میں فریضہ حج ادا کرتے۔ بارہویں صدی

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ہجری میں تحفۃ العالم کا مصنف جزائر جاوا سماترا وغیرہ کے ایک
سیاح کے حالات بیان کرتا ہی اس میں وہ ظاہر کرتا ہی کہ مساجد میں
سلطان روم کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہی اور اُن جزائر کے مسلمان
ہر جمعہ کو سلطان کی سلامتی و فلاح کی دعائیں مانگتے ہیں۔ سنہ ۱۱۶۰ھ
(۱۷۴۷ء) میں اورنگ آباد کا رہنے والا سید قمرالدین حج سے
واپسی میں کلمبو میں ٹھیرا اور وہاں اس نے مسلمانوں کو جمعہ کی نماز میں
سلطان روم کے لیے دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا۔ کیونکہ وہ مقامات مقدسہ
کا محافظ تھا۔ موجودہ زمانہ میں بھی ملک افغانستان کے آزاد اور
خود مختار حکمران امیر عبدالرحمن خاں نے سلطان عبدالمجید خاں کو خلیفہ
تسلیم کیا اور اُن کے ہاتھوں سے فرمانِ حکومت اور سراج الملۃ والدین
کا خطاب پایا۔ اس لیے تاریخی نقطہ نگاہ سے اس قسم کے واقعات سے
یہ نتیجہ اخذ کرنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ حکومت مغلیہ کے ابتدائی ایام میں
بھی جب کہ خلافت کو خاندان عثمانیہ میں منتقل ہوئے تھوڑا ہی زمانہ
گذرا تھا۔ سلطان ٹرکی کو ہندوستان میں خلیفہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ جس وقت
سیدی علی رئیس اس ملک میں آیا ہی اس وقت خلافت کو قسطنطنیہ میں
منتقل ہوئے کل ۳۷ سال ہوئے تھے اور جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہی اس قلیل
مدت میں بھی بادشاہِ اسلام کا اقتدار مسلمانانِ ہند میں ہر جگہ
قائم ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانان ہندوستان ہر سال ایک
کثیر تعداد میں فریضۂ حج کی ادائگی کے لیے مکہ معظمہ جایا کرتے تھے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اس لیے یہ غیر اغلب نہیں کہ وہ وہاں سے محافظ حرمین شریفین کی عزت اور محبت اپنے دل میں لیکر واپس آتے ہوں اور اُن احساسات کو ملک میں پھیلاتے ہوں۔ اس لیے یہ فرض کرنا تاریخ کے غلط معنی لینا ہیں کہ سلطان ٹرکی کی خلافت کا خیال اس ملک میں بالکل نئی چیز ہے جو گذشتہ پچاس سال کے اندر پیدا ہوئی ہے اور وہ سیاسی "پین اسلامک" تحریک کا نتیجہ ہے۔ نیز یہ کہ اس دعویٰ کی کہ خلافت میں مسلمانان ہندوستان کی طرف سے سلطان ٹرکی کے ساتھ دنیوی اطاعت کے اظہار کا مفہوم شامل ہے کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے"

انگلستان اور خلافت

سر ویلنٹائن چرول مشہور اہل قلم وسیاست داں نے حال ہی میں بمدر اس کے "ہسٹری یونین" (انجمن تاریخ) کے جلسہ میں یہ کہکر کہ سلاطین عثمانیہ کی خلافت کو اسلامی دنیا نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔

ottoman Sultans. 91.

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اسلامی تاریخ سے اپنی عدم واقفیت کا قابل افسوس ثبوت دیا ہے۔ ہم اس کی تشریح کرنے سے مجبور ہیں کہ سر ولینٹائن اس غلطی میں کیوں اور کس طرح پڑے؟ اب ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں۔ مسئلہ خلافت کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ غیر مسلمان بادشاہوں نے بھی مختلف اوقات میں خلیفہ کے اقتدار کو اپنی اغراض کے حصول کے لیے استعمال کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ نپولین تو ایک قدم اور آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے خلافت کی اہمیت اور مفید ہونے کا پورا پورا اندازہ کیا اور یہہ چاہا کہ خود ہی خلیفہ بن جائے۔ یہ اُس کی دلی خواہش تھی کہ مشرق میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے اور جب کہ قاہرہ میں اُس نے علانیہ کلمہ پڑھا اور دینِ اسلام قبول کیا۔ اُس کی یہی غرض تھی کہ وہ اسلام کا مقتدا بن جائے۔ شاید وہ یہ سمجھتا تھا کہ جو بات تین سو برس قبل سلطان سلیم کے لیے ممکن تھی۔ آج اُس کے لیے بھی ممکن ہو سکتی ہے۔ مسٹر بلنٹ کے الفاظ ہیں "دریائے نیل کی جنگ نے کتنی بڑی عظیم الشان تجویز ملیا میٹ کر دی"۔ برطانوی حکومت نے بھی ایک سے زائد مرتبہ خلیفہ کے اختیار اور سطوت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ موجودہ زمانہ میں غیر مسلم سلطنتوں میں سے انگریزی حکومت ہی ایک ایسی سلطنت ہے جو مسلمانانِ ہند پر خلیفہ کے اختیار و اقتدار کو تسلیم کرنے میں

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

سب سے زیادہ پیش پیش رہی ہی ٹیپو سلطان اور گورنر جنرل لارڈ مارنگٹن کے درمیان ایک مراسلت ہوئی ہی۔ یہ مراسلت ضمیمہ سی کے نام سے کتاب "ٹیپو سلطان سے جنگوں کی ابتدا" ترقی اور فیصلہ کن جنگوں کے نتائج پر ایک تنقید[ل] کے آخر میں دی ہی۔ جس کو لیو منہسار ڈلنکنس ان فیلڈ ٹس نے ٹی کیڈل اور ڈبلو ڈیوس سٹرانڈ کے لیے سنہ میں طبع کی ہی۔ اس نہایت دلچسپ مراسلت کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہی کہ برطانوی گورنمنٹ نے مشرق میں اپنی حکومت کی توسیع کے نازک زمانہ میں سلطان روم سے امداد کی خواہش کرنے میں تامل نہیں کیا اُس نے سُلطان روم کو مسلم شریعت اسلامیہ اور حکومت کا پیشوا اور دین اسلام کی مقدس یادگار رہنا تسلیم کیا۔ گورنر جنرل لارڈ مارنگٹن نے ٹیپو سلطان کی خدمت میں خلیفہ کا خط ان الفاظ کے ساتھ بھیجا۔ "میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اس کو پیش کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت اس کو پڑھینگے اور اس کا اُس عزت کے ساتھ جس کا یہ مستحق ہی لحاظ فرما دیں گے"۔ برطانوی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ ٹیپو سلطان فرانسیسیوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے انگریزوں نے سُلطان روم سے ایک خط حاصل کیا اور دوستانہ تنبیہہ کا ٹیپو سلطان پر کافی اثر پڑا۔ اور

[ل] A Review of the origin Progress and result of the decisive war with the late Tipu Sultan.

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اُنھوں نے خلیفہ کو ان الفاظ میں جوابدیا "چونکہ فرانسیسی قوم کے تعلقات باب عالی سے کشیدہ ہو گئے ہیں اور اُنھوں نے اپنے کو بابعالی کا مخالف بنا لیا ہے اس لیے وہ پیروان دینِ اسلام کے دشمن ہیں اور تمام مسلمانوں کو ان کی دوستی سے انکار کر دینا چاہیے" انگریزی حکومت کس منہ سے خلافت عثمانیہ کے اقتدار سے منکر ہو سکتی ہے جب کہ اس نے خلیفہ کے اقتدار کو نہ صرف تسلیم کیا اور اس کا اقرار کیا ہے بلکہ اس سے فائدہ بھی اُٹھایا ہے۔ انگریزی حکومت خودداری کو ملحوظ رکھ کر یہ کس طرح کہہ سکتی ہے کہ "ہم اس کو نہیں تسلیم کر سکتے کہ خلیفہ کو ہندوستانی مسلمانوں پر کسی قسم کا بھی دنیاوی اقتدار حاصل ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے تاریخ سے کوئی لگاؤ نہیں" یا یہ کہنا کہ "سلطان روم مسلمانوں کے جہاں کہیں بھی وہ ہوں روحانی پیشوا ہیں" گزشتہ اُنیسویں صدی کے اختراع ہے۔ ہاں اگر گورنر جنرل کی درخواست۔ سلطان روم کا جواب اور ٹیپو سلطان کی اطاعت محض "ردی کاغذ" سمجھے جائیں تو ایسا سمجھنا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر سلطان روم کی مسلمانوں پر اقتدار کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مستند کاغذات کے مقابلے میں تاریخ کی روایتوں کا پیش کرنا زیادہ قابل وثوق نہیں ہے ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ کا جہاں تک انگریزی حکومت سے تعلق تھا۔ اس کو گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن نے ۱۶ر جنوری ۱۷۹۹ء

ہیں ہمیشہ کے لیے طے کر دیا ہی۔ لیکن یہی ایک مثال نہیں ہی بلکہ
۱۸۵۷ء میں بھی برطانوی حکومت نے سلطان عبد المجید مرحوم سے
مسلمانانِ ہندوستان کے نام ایک فرمان اس مضمون کا حاصل
کیا کہ مسلمانوں کو انگریزوں سے صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہیئے
کیونکہ انگریز اُن کے خلیفہ کے دوست ہیں جس کا مسلم آبادی پر
عظیم الشان اثر پڑا۔ اُس وقت سے برابر ہندوستان کے
مسلمان انگریزوں کو اپنے دوست اور محافظ کی نظر سے دیکھنے
لگے۔ ان کو انگریزوں کی راست بازی اور ایمانداری پر ایسا
اعتقاد ہو گیا تھا کہ اُنھوں نے اپنی ملکی تحریکوں سے علیحدگی اختیار
کی۔ بلکہ بعض مواقع پر بڑی مخالفت کی اگر ہم مسلمانوں کے اس
طرزِ عمل اور ان کی ۱۹۱۱ء تک کی سیاست کے اسباب کا
ذرا غور سے مطالعہ کریں تو ہم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اس
مسلمہ نتیجہ کے پیدا کرنے میں اس گہری دوستی نے جو برطانوی
اور ترکی حکومت کے مابین تھی کچھ کم اثر نہیں کیا۔ کریمیا اور دیگر روسی
و ترکی جنگوں کے واقعات نے مسلمانوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ انگریز
ان کے خلیفہ کے سچے دوست ہیں اور جب کبھی اُنھوں نے انگریزوں
کی اس سیاست میں کوئی تغیر دیکھا تو اُن کو صدمہ ہوا۔ چنانچہ
۱۸۹۷ء میں روم و یونان کی جنگ میں برطانوی حکومت نے
یونانیوں پر مہربانی کرنے میں جو ناواجب اور غیر منصفانہ طرزِ عمل

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اختیار کیا تھا اس کی اُنھوں نے سخت نکتہ چینی کی نیز ۱۹۰۶ء میں
عقبہ کے جھگڑے کے وقت بھی ہندوستان کے مسلمانوں نے
بالاتفاق لارڈ لینسڈاون کے اس غیر منصفانہ حملہ کے خلاف جو
اُنھوں نے کیا تھا صدائے احتجاج بلند کی اور یہ واقعہ اُس زمانے
کا ہی جب کہ گورنمنٹ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اپنے شباب پر
تھی۔ اگرچہ یہ صحیح ہی کہ اس وقت اُن کی آواز اس قدر زوردار اور
بلند نہ تھی جس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کو اس وقت بھی انگلستان کی
راستبازی اور ایمانداری پر اعتقاد تھا۔ لیکن افسوس کہ انگلستان
اپنے ہر فعل سے یہ ثابت کر رہا ہی کہ مسلمانوں کو اب انگلستان کے
ضمیر اور نیک نیتی پر بھروسہ نکرنا چاہیے۔ مسلمان اُس وقت تک قانع
رہے جب تک کہ برطانی حکومت نے خلیفتہ المسلمین سے ظاہری دوستی
کا ڈھانچہ قائم رکھا۔ لیکن جونہی کہ برطانوی محکمہ خارجہ نے اس
دوستی سے قطع تعلق کیا مسلمانوں میں بےچینی پیدا ہوگئی۔ اور اس
کے بعد ہی علانیہ مخالفت شروع ہوگئی۔ اس حالت کے پیدا ہونے کے
اسباب کیا تھے؟ اس بارہ میں یا تو ہم کو نوجوان ترکوں کی حماقت
کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔ یا اسے سر ایڈورڈ گرے کی مشرقی پالیسی کا
نتیجہ سمجھنا پڑیگا۔ ان باتوں پر ہم آگے چلکر مختصر بحث کرینگے۔ جرمنی سی
حسد اور بغض رکھنا سر ایڈورڈ گرے کی خارجی پالیسی کا بنیادی
اصول تھا۔ اس لیے اُس کی رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اُنھوں نے دوستانہ تعلقات رکھنے والی اسلامی ریاستوں کی یکے بعد دیگرے قربانی کر ڈالی۔ ایران کی داستان اس قدر دردناک اور طویل ہے کہ یہاں اس کو مختصراً بیان کرنا بھی مشکل ہے اگر ہم سے اس گزشتہ عظیم الشان جنگ کا سبب دریافت کیا جائے تو ہم کو اس بات کے کہنے میں کچھ بھی پس وپیش نہ ہوگا کہ اس جنگ کا بنیادی سبب ہمارے سابق بادشاہ ایڈورڈ ہفتم اور سر ایڈورڈ گرے کی خارجیہ پالیسی ہے۔ اتحاد فرانس جس کی تکمیل سنہ ۱۹۰۴ء میں ہوئی اس کا منشا سوا جرمنی کی مخالفت کے اور کچھ نہ تھا اور سنہ ۱۹۰۷ء کا روسی انگریزی معاہدہ ایک طرح سے جرمن سے اعلان جنگ تھا۔ مگر یہ تمام بحثیں اس مختصر رسالے کی حدود سے باہر ہیں۔ ہم اب یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اُنیسویں صدی کے پچھلے حصہ میں انگلستان نے ترکوں کے متعلق کیا طرز عمل اختیار کیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو آجکل یہ بات بار بار یاد دلائی جاتی ہے کہ انگلستان نے کریمیا کی جنگ میں اور دوسرے وقتوں میں اِن کے خلیفہ کی مدد کی تھی اُن قیمتی امدادوں سے جو برطانیہ نے وقتاً فوقتاً ترکی سلطنت کو دیں ہرگز انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ ان کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے اس لیے اِن کی حقیقت کا ظاہر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں پہلی بات جس کا صاف کردینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ شرقیہ

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

کیا چیز ہے؟

مسئلہ شرقیہ کا اگر وسیع مفہوم لیا جائے تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ اس ملک پر جو اُس وقت سلطان کے قبضہ میں تھا کون حکومت کرے۔ دوسرے مختصر لفظوں میں اس کو یوں سمجھنا چاہیئے "فلاں فلاں ملک میں فلاں فلاں چیزیں ہیں جن کی مجھے ضرورت ہے میں اُس کو کیونکر لے سکتا ہوں اور دوسرے لوگوں کو اپنے سے زیادہ لینے سے کیونکر روک سکتا ہوں"

انگلستان نے کیوں ترکوں کی تائید کی؟

انیسوی صدی کے آخری حصّہ میں انگلستانی پالیسی کی بنیاد روس کا خوف تھا۔ ہندوستان کے آمد و رفت کے راستوں کا محفوظ رکھنا انگلستان کے لیے ایک اہم مسئلہ سمجھا جاتا تھا اور جب تک کہ روس ڈینوب کے شمال میں رہا انگلستان کے آمد و رفت کے وسائل محفوظ رہے۔ کیونکہ روس اور ہندوستان کے مابین تمام یوروپین ترکی اور ایشیائے کوچک پڑتا تھا اور اِس حصّہ میں اُس کے پاس کوئی ایسا مقام نہ تھا جس کو وہ اپنے بیڑہ کے لیے جارحانہ پیشقدمی کا مرکز بنا سکے۔

لہ انگریزوں کی سیاسی پالیسی مشرق میں مصنفہ بیرن۔ اِج ڈی وڈس

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

یہی وہ راز ہے جو انیسویں صدی کے آخری نصف حصّہ میں انگریزوں سے ترکوں کی تائید کراتا رہا - انگلستان کوئی بے غرض دوست نہ تھا اور اس لیے اُس کو ترکوں سے اس قدر احسانمندی کی توقع نہیں رکھنا چاہیئے جس کا کہ وہ دعویدار ہے - اگر اُس کی نیت صاف اور بے مطلب ہی ہوتی تو وہ ایسی توقع کر سکتا تھا

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دوران جنگ کریمیا میں انگلستان کے لوگوں کو ترکوں سے ایک حد تک ہمدردی تھی - لیکن دیکھنا چاہیئے لارڈ پالمرسٹن کریمیا کی جنگ میں انگریزوں کے شریک ہونے کی کیا وجہ بتاتے ہیں -

"دول عظام خمسہ" نے ایک باضابطہ دستاویز میں اپنی اس رائے کا اندراج کیا ہے کہ یورپ کا عام فائدہ اس میں ہے کہ عثمانیہ سلطنت کی پیوستگی اور آزادی کو قائم رکھا جاوے اور یہہ دکھانا آسان ہے کہ مضبوط سیاسی اور تجارتی ہر دو وجوہات کے بنا پر انگریزوں کا بالخصوص فائدہ اس میں ہے کہ یہ پیوستگی اور اور آزادی قائم رکھی جاوے - ہم اپنی غرض اور اپنے فائدے کے لیے ترکوں کی امداد کرتے ہیں - اگر ہم محض اس وجہ سے کہ ترک ہمارے مشوروں کا اتنا لحاظ نہیں کرتے جتنا کہ ہونا چاہیئے اُن کی مدد کرنا چھوڑ دیں یا اس میں کچھ کمی کر دیں تو اس کا یہہ نتیجہ[۵۲]

۵۲ حیات لارڈ پالمرسٹن مصنفہ آنریبل ایولین ایشلی

ہو گا کہ ہمارا قومی مفاد دوسروں کے نظر رحم کا محتاج ہو جائے گا۔

جبکہ وہ مضبوط سیاسی اور تجارتی وجوہات جاتے رہے۔

انگریزوں نے ترکوں کی تائید سے ہاتھ روک لیا۔ کریمیا کی جنگ کچھ سلطان کی خواہش سے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ لارڈ سٹرٹیفرڈ ی رڈکلف نے بابعالی کو جنگ پر مجبور کیا تھا۔ سلطان کی گورنمنٹ کو ترغیب دی گئی تھی کہ وہ وائنا کی یادداشت کو نامنظور کردے اور کہا گیا تھا کہ اگر لڑائی تک نوبت پہونچی تو انگریز امداد دیں گے یہ یونانی کلیسا اور لاطینی کلیسا کا جھگڑا تھا جس نے جنگ کرائی ترکوں کو تو اس سے کچھ تعلق نہ تھا۔ روس اور انگلستان دونوں لڑنا چاہتے تھے اور وہ لڑے۔ درحقیقت یہ روس اور انگلستان کی جنگ تھی۔ قبل اس کے کہ اتحادی مدد کے لیے آئیں ترکوں نے روسیوں کو سلسٹریا کے سامنے سے بھگا کر ڈینوب کے پار کر دیا تھا۔ اور جنگ کا مقصد جہاں تک کہ اس کا ترکوں سے تعلق تھا عملی طور پر حاصل ہو گیا تھا۔

۱۸۷۷ء کی جنگ میں بھی انگریزوں نے ابتدا میں لاپروائی دکھائی۔ لیکن جب ترکی سلطنت کو شکست ہوئی اور اُس کے دشمن روس کی طاقت بڑھ گئی۔ تب انگریزی سلطنت نے ہاتھ پاؤں ہلائے اور اُس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ عہد نامہ سین سٹیفانو کی شرائط صلح نے تمام یورپ میں اس سرے سے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اس سرے تک لرزہ ڈال دیا۔ اور اخبارات نے حقارت آمیز بحثوں کا ایسا طوفان برپا کیا کہ کوئی وزارت ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ یہ مسئلہ شرقیہ کا مناسب حل نہیں تھا۔ چنانچہ برلن کی مشہور مجلس مشاورت جمع ہوئی۔

اس مجلس مشاورت کے جمع ہونے کے ٹھیک ایک ماہ پہلے برطانوی وزیر اعظم نے سلطان سے بذریعہ ایک خفیہ عہدنامہ کے جزیرہ قبرص اس صلہ میں لے لیا کہ وہ ہمیشہ عثمانی سلطنت کے اقتدار کی عزت کریں گے۔ اور اس آنیوالی مجلس مشاورت میں ترکی حکومت کی تائید کریں گے۔ معاہدۂ قبرص کا مطلب "ڈسرئیلی" سالسبری اور لیارڈ کے ذہنوں میں یقین بھی کیا تھا کہ بضابطہ طور پر انگریزی حکومت کا زبردست اثر ایشیائی ترکی پر قائم کر دیں۔

ڈسرئیلی نے اپنے زمانۂ شباب میں ایک ناول ٹیکریڈ (TAUCRED) لکھا تھا اس میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ بادشاہِ انگلستان کے زیر حکومت ایک عظیم الشان ایشیائی سلطنت قائم کی جائے جس میں جزیرہ قبرص خاص طور پر شامل ہو جس سے انگریزوں کے بادشاہ رچرڈ کی حکومت کی یاد تازہ ہو جائے۔

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

مجلس مشاورت برلن میں بیٹھی اور شروع میں یہ تجویز ہوئی کہ ہر سفیر کو ایک ابتدائی اقرار نامہ اس بات کا کرنا چاہیئے کہ اس کی حکومت تنازعہ فیہ مسئلہ کے متعلق ہر قسم کے پوشیدہ معاہدے آزادی سے ڈسرلی اور سالسبری کی سٹی گم ہوگئی اور وہ اس سے انکار نہ کرسکے اور دوسرے سفرا کی طرح اُن کو بھی اس سے اتفاق کرنا پڑا اُنھوں نے اس پر اپنی مہر منظوری ثبت کردی (کانگریس (مجلس مشاورت) کا کام ختم نہ ہوا تھا کہ ۹ جولائی کو لنڈن کے اخبار گلوب نے اس بھانڈے کو پھوڑ دیا اور خفیہ عہدنامہ کی دفعات کی اصل عبارت کو شائع کردیا۔ یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ اُس وقت برلن میں استعجاب اور بدنامی ہوئی ہوگی۔

فرانس اور روس نے اعلان کیا کہ ان کی سخت توہین کی گئی یہ دونوں سفیر صاف اور صریح جھوٹ کے مجرم ٹھہرے۔ ڈسرلی بیماری کے بہانے صاحب فراش ہوگیا اور کئی دن تک مجلس میں نہ آیا۔ آخر کار بسمارک نے ڈسرلی کی مدد کی اور مفصلہ ذیل تصفیہ کیا جس پر فرانس اور انگلستان دونوں رضامند ہوگئے۔

۱۔ کہ فرانس کو اجازت ہو کہ قبرص کے معاوضہ میں جیسے ہی اس کو پہلا مناسب موقع ملے ٹیونس پر قبضہ کرے۔ انگریز اس کی کوئی مخالفت نہ کریں گے۔

۲۔ کہ انگریز شام میں فرانس کے خاص حقوق کو تسلیم کرتے ہیں

۳- یہ کہ مصر کے مالی انتظام میں فرانس کو بھی انگریزوں کے برابر حق ہوگا۔

مسٹر بلنٹ جو آزادیٔ اقوام کے بڑے حامی ہیں اور جن کی نسبت ایک مرتبہ فرڈرک ہیریسن نے لکھا ہو کہ "آخر کار انگلستان کا ضمیر ان کے اور ان کے یادگار رکھے شکریہ کا گہرا بوجھ محسوس کرے گا کہتے ہیں[1] کہ وہ تمام جزائر جن کا ارتکاب شمالی افریقہ اور مشرق کی آزادی سلب کرانے کے لیے کیا گیا ہو اور جن کو ہماری نسلوں نے دیکھا ہو ان میں سے آدھے بالواسطہ یا بلاواسطہ قبرس کی سازش سے تعلق رکھتے ہیں" اس طرح قلم کی ایک ہی جنبش سے انگلستان نے اپنے حلیف سلطان کے دو نہایت زرخیز صوبے فرانس کے سپرد کردیے۔ ۱۸۲۰ء کی روم و یونان کی جنگ میں زار نکولس کو سخت حیرت ہوئی اور انگریزوں کو بہت ہی رنج ہوا۔ جب اُنھوں نے یہ دیکھا کہ ترکی فوجوں کے مقابلہ میں یونان کی حب الوطنی نے کچھ کام نہیں کیا اور ترکوں نے رفتہ رفتہ اُس بغاوت کو کُچل ڈالا اور حکومت دوبارہ قائم کردی ان کی فوجیں ایتھنز میں داخل ہوچکی تھیں اور ہلال کو ہر جگہ فتح و نصرت حاصل ہوچکی تھی کہ یکایک اتحادی بیڑہ جہازات جس میں انگریز سب سے پیش پیش تھے اس منظر پر نمودار ہوا اور ترکی بیڑہ کو نیوبرینو میں تباہ کردیا۔ ترکی کی اس عظیم الشان

[1] سیکرٹ ہسٹری مصنفہ مسٹر بلنٹ صفحہ ۳۳۲ - ۳۷

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

مصیبت کو لارڈ برو گھم نے ایک شاندار اور غیر فانی کام قرار دیا اور لارڈ جان رسل نے ایک عظیم الشان فتح کے نام سے موسوم کیا ہی۔

سنہ ۱۸۸۲ء کے انگریزی قبضہ مصر کی داستان (جو ابھی تک ترکی حکومت کا ایک صوبہ تھا) ایک ہولناک جرم ہی جو انگریزی تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ ایک نہ مٹنے والا داغ رہیگا۔ مسٹر ہوئس اپلٹن جو معاملات خارجہ میں مستند مانے جاتے ہیں کہتے ہیں در انگلستان بلا شبہہ زیادتی پر تھا اس سے کون انکار کریگا کہ حکومت مصر نے اپنے جایز حقوق کے اندر اسکندریہ کی حفاظت کے لیے اپنے قلعے تعمیر کیے تھے، قبل اس کے کہ مصریوں کی طرف سے کچھ زیادتی ہو انگریزی جنگی جہازات مصری سمندر میں لنگر انداز ہو گئے اور مصری حکومت کو الٹیمیٹم دیدیا۔

یہہ فعل بجائے خود اعلان جنگ تھا اور اس لیے انگریزوں نے جنگ شروع کردی۔ اسکندریہ میں یوریپینوں کا قتل نہ صرف انگریزی جہازات کی آمد اور اعلان جنگ کے بعد ہوا۔ بلکہ یہی دونوں باتیں اس قتل کا باعث ہوئیں۔

مسٹر گلیڈسٹون سے جب دارالعوام میں سوال کیا گیا کہ اعلان جنگ کس کو دینا چاہیئے سلطان کو یا خدیو کو یا عربی پاشا کو تو انھوں نے جواب دیا۔ کوئی جنگ تو ہی نہیں اسکندریہ کی گولہ باری ایک

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

حفاظتی تدبیر ہی اور انگریزی جہازات کا یہ فعل صرف مدافعانہ ہی نہ کہ اعلان جنگ۔ لیکن بلاشبہ اِس مدافعانہ فعل کی بدولت نہ صرف ایک قدیم شہر تباہ و برباد ہوا بلکہ اس کے بعد ہی مصر پر حملہ شروع ہوا سوڈان پر چڑھائی کی گئی اور چالیس ہزار دلیر انسان جو اپنی آزادی کی کوشش کر رہے تھے شہنشاہیت کی دیوی کی قربانگاہ پر چڑھا دیئے گئے۔ تاہم بقول مسٹر گلیڈسٹون یہ جنگ نہ تھی صرف ایک مدافعانہ فعل تھا۔

مسٹر گلیڈسٹون کی ایمانداری اور راستبازی پر اس ہولناک واقعہ کا کچھ اثر نہ پڑا۔ ہاں البتہ جان برائٹ نے جو اس کی وزارت کا ایک ممبر تھا علی الاعلان کہا کہ انگلستان نے قانون بین الاقوام اور معاہدات دونوں کی خلاف ورزی کی ہے اس نے عوام کا اعتبار کھو دیا ہی اور اقرارناموں کو توڑ ڈالا ہے۔

ان ضمانتوں اور وعدوں کی بابت جو برطانوی حکومت نے وقتاً فوقتاً مصر کو جلد سے جلد خالی کرنے کی بابت کیے ہیں جس قدر کم کہا جائے بہتر ہے۔ ایک مرتبہ گلیڈسٹون نے کہا کہ بلاشبہ[1] دنیا کی تمام چیزوں میں مصر کا غیر معیّن قبضہ ایک ایسی چیز ہے جس کے کرنے پر ہم طیار نہیں ہیں۔ یہ ہز مجسٹی کی حکومت کے

---

[1] دارالعوام میں گلیڈسٹون کی اسپیچ ۱۰ اگست ۱۸۸۲ء

تمام اصولوں اور ان وعدوں کے خلاف ہوگا جو ہم نے یورپ سے کیے ہیں" اور اس کے دو برس کے بعد لارڈ گرینویل نے کہا کہ ہز میجسٹی کی حکومت نے یہ تصفیہ کرلیا ہے کہ افواج ۱۸۸۸ء کے شروع میں واپس کرلی جائیں"

باوجود اس قسم کے بہت سے وعدوں اور ضمانتوں کے "مصر کا غیر معین قبضہ" برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ گزشتہ جنگ میں الحاق کے لیے بہانہ ڈھونڈھ کر مصر کو شہنشاہیت میں ضم کرلیا گیا۔

کسی قوم کے شہنشاہانہ برتاؤ کی تاریخ میں یقیناً ایسے صاف اور صریح وعدے اور ضمانتیں جو بعد میں اس طریقے سے توڑے جاتے ہوں نہ ملیں گے۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء میں روم و یونان کی جنگ ہوئی جس میں ترکی فوجوں کی یہ حالت تھی کہ گویا وہ ہر چیز کو جو ان کے سامنے آئے گی بہالے جائیں گی اور قریب تھا کہ وہ یونانی دارالسلطنت کو لیلیتیں اگر ان کی فاتحانہ رفتار کو دول یورپ نے سرگردگیٔ انگلستان نہ روک دیا ہوتا۔ تھسلی یونان کو واپس دیا گیا اور جزیرہ کریٹ کے انتظام کے لیے ایک یونانی گورنر مقرر کیا گیا۔ یہ انصاف تھا جو ترک فاتحوں کے ساتھ کیا گیا۔ اُس وقت

۱؎ لارڈ گرینول کی مصری مراسلت نمبر ۴۳ ص ۱۳ - ۱۹ جون

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

برطانوی وزیر اعظم نے مسٹر اسکوئتھ کی طرح جنگ بلقان میں یہہ اعلان نہیں کیا کہ "فاتح کو اس کی مفتوحات کے ثمرہ سے محروم نہیں کرنا چاہیے" یہہ انگلستان ہی تھا جس نے سنہ ۱۹۰۴ع کی اتحاد کی رو سے فرانس کو مراکش میں آزادانہ کارروائی کرنیکا اختیار دیا۔ بلاشبہ مراکش کچھ انگلستان کی ملک نہ تھا کہ وہ یوں فرانس کو دیدے۔ لیکن دول عظام کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہی کہ دوسری اقوام کے املاک نہایت فیاضی اور سخاوت سے تقسیم کرتے ہیں۔ مفت بخشی کی یہہ داستان طرابلس کی جنگ میں پھر دہرائی گئی۔ انگلستان غالباً اپنے قبضۂ مصر کی وجہ سے سنہ ۱۸۸۷ع ہی میں اٹلی کے الحاق طرابلس کو منظور کر چکا تھا۔ اٹلی نے بے سمجھے بوجھے سلطان کے اس افریقی صوبہ پر چڑھائی کردی انگریزوں نے نہ صرف اس جرم سے چشم پوشی کی بلکہ جیسا فورٹ نائٹلی ریویو میں لکھنے والا اقرار کرتا ہی برطانوی محکمہ خارجہ خود اس سازش میں شریک تھا۔

اس مضمون کا لکھنے والا کہتا ہی کہ "اس میں بہت کم شک کی گنجائش ہی کہ کچھ نہ کچھ سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ اغلب معلوم ہوتا ہی کہ انگلستان اس بات پر راضی ہو گیا تھا کہ وہ ترکی فوجوں کو مصر سے نہ گزرنے دیگا اور جہاں تک ممکن ہوگا آلات حرب اور دیگر

لہ فورٹ نائٹلی ریویو مارچ سنہ ۱۹۱۲ع

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

سامان جنگ کو بھی اس راستہ سے نہ گزرنے دیگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ بھی ذمہ داری لی تھی کہ وہ مصر کو بالکل غیر طرفدار رکھیگا۔ اور باب عالی کو اپنے ماتحت (مصر) سے کوئی امداد نہ لینے دیگا،،

لڑائی شروع ہونے کے ساتھ ہی لارڈ کچنر کا مصر بھیجا جانا محض حسن اتفاق سے بتعبیر نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ قاہرہ میں لارڈ کچنر کا کام یہ تھا کہ وہ کسی عثمانی فوج کو مصر سے نہ گزرنے دیں۔ اور دیگر مسلمان طرابلس کے مسلمانوں کو کسی قسم کی مدد نہ پہنچائیں لارڈ کچنر نے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہو ترکی فوجیں طرابلس جاتے ہوئے وادی نیل سے گزرنے کا مطالبہ کریں۔ اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے نہر سویز کے مشرقی جانب ریگستان میں برابر قلعوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔ اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اگر ترکی فوجوں کو مصر ہو کر راستہ مل گیا ہوتا تو طرابلس اٹلی کا صوبہ نہ ہوتا۔؟

یہ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ بالواسطہ مگر موثر مدد اٹلی کو سر اڈورڈ گرے نے اس مفاہمت پر دی تھی کہ اگر یورپ میں کوئی باہمی کشمکش ہو تو اٹلی کا طرز عمل انگریزوں کے ساتھ دوستانہ رہیگا۔ اس قیاس کے واقعات مابعد سے تصدیق ہوتی ہے یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ مذکورہ بالا مضمون نگار نے جو

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

الزامات لگائے رہیں۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کر تی تو اس
کی آجتک تردید نہیں کی گئی اور ترکی حکومت کو بلقان میں
جو مصیبت پیش آئی اور پھر ہز مجسٹی کی حکومت کے ذمہ دار
وزرا نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس بربادی اور
تباہی پر جس قدر غیر محدود مسرت و شادمانی دکھائی ہے
وہ ابھی ہمارے ذہنوں میں تازہ ہے اور اس کی یہاں
ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ترکی سے انگلستان کے
تعلقات کی داستان اس قدر صاف نہیں ہے جس قدر
کہ عام طور سے خیال کی جاتی ہے۔ برطانیہ اعظم کی گزشتہ
تاریخ کے سرسری مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ
انیسویں صدی کے دوران میں ترکوں کو جو کچھ نقصان پہنچا
ہے وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ انگلستان ہی کے ذریعہ سے پہنچا ہے
اب موجودہ زمانہ پر نظر ڈالتے ہوئے ہم کو یہ معلوم ہوگا
کہ وہ ذلت آمیز عہد نامہ جو انگلستان اور فارس کے درمیان
ہوا تھا اس کی ابتدا انگلستان ہی کی طرف سے ہوئی تھی
اور تم کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ انگلستان ہی ہے جو مصر پر قابض ہے
عراق عرب اور فلسطین پر بھی انگلستان ہی کا قبضہ ہے۔
آذربائیجان کی جمہوری سلطنت کو اپنے زیر حفاظت لانا
انگلستان کی دیرینہ تمنا ہے۔ قسطنطنیہ میں بھی انگریزوں کا

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

دخل ہے وہ انگلستان ہی تھا جس نے کہ "شریف حسین" کو خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے رشوت دی۔ ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے اگر مسلمان اپنی بدقسمتی کو انگلستان کی طرف محمول کریں اور اس کو جزیرۃ العرب کا تقدس قائم رکھنے کا ذمہ دار ٹھہرائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

جنگ عظیم

۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد ترکوں نے اپنے پرانے حلیف اور دوست انگلستان سے کیا کیا توقعات قائم کی تھیں؟ اور انگلستان نے نوجوان ترکوں سے کیا برتاؤ کیا؟ یہ ایسی غم انگیز اور اس قدر تازہ داستان ہے جس کا اس رسالہ میں لکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ انگلستان نے صرف یہی نہیں کیا کہ ترکوں کی نیک خواہشوں سے بے پروائی برتی بلکہ انھوں نے جو دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس کے پکڑنے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

سے بھی انکار کر دیا۔ ترکوں کی نوجوان جماعت نے حالات و واقعات سے تنگ آکر جب ان کو انگلستان کی طرف سے مایوسی ہوگئی اپنا ہاتھ جرمنی کی طرف بڑھایا۔ اور جرمنی نے نہایت خوشی اور مسرت سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ قسطنطنیہ میں اُس وقت کے انگریزی سفیر کی ناقابلیت طرابلس، اور بلقان کی جنگوں میں برطانوی محکمۂ خارجہ کا طرز عمل، ترکی اور دوسری اسلامی سلطنت مراکو اور ایران کے ساتھ جرمن سفیر متعینہ بابعالی ہر مارشل فان بیبرسٹین کی کامیاب ڈپلومیسی، ولیم قیصر جرمنی کی دوستانہ پالیسی جو اس نے اپنے دادا کی تقلید میں اختیار کی تھی، انگریزی حکومت پر روس کا عجیب و غریب اثر یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ ترکی پر جرمنی کی شرکت جنگ کا الزام لگاتے ہوئے نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔

معاملات کی یہ حالت تھی کہ عظیم الشان جنگ یورپ شروع ہوئی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی دلی خواہش یہ تھی کہ ترک اس جنگ سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ ان کا یہ بجا خیال تھا کہ اگر کہیں ترک اس جنگ میں شریک ہوگئے۔ تو اِن کی حالت بہت نازک ہو جائے گی۔ اور ان کی مثال اس دانہ کی سی ہوگی جو چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں دب گیا ہو۔ ایک تار جو قابل اور ہردلعزیز لیڈر محمد علی کی معرفت

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

خلیفۃ المسلمین کے ایک وزیر کے نام بھیجا گیا تھا جس میں ان سے
التجا کی گئی تھی کہ وہ اس عظیم الشان جنگ میں غیر جانب دار رہیں
اور شریک نہ ہوں۔ محکمۂ خارجہ ہند کو ملا تھا۔ محمد علی نے بلا شبہ
اس تار کے بھیجنے میں اپنے ہم مذہبوں کی ترجمانی کی۔ لیکن افسوس
کہ ایسا نہ ہوا۔ باب عالی پر سے برطانیہ کا اخلاقی اثر (رخصت ہو چکا
تھا) سر ایڈورڈ گرے اپنے طرز عمل سے یہ دکھلا چکے تھے کہ ان کو
ترکوں کی امیدوں اور تمناؤں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔
برطانیہ نے طرابلس اور بلقان کی جنگ میں جو طرز عمل اختیار کیا
تھا وہ ترکوں کو اچھی طرح یاد تھا۔ لڑائی کے پہلے انگریزوں نے
عدن سے عرب باغیوں کو جو امداد دی تھی۔ اس کو ہر ترک
خواہ جنرل ہو یا مدبر اچھی طرح جانتا تھا اور ترک اس سے نہایت
ناخوش تھے۔ مسٹر الیسکوینھ کا اعلان جو ایرانی تعصب میں ڈوبا
ہوا تھا مسلمانوں کے دماغوں میں ابھی تازہ تھا۔ مسٹر لائڈ جارج نے
"دردی برزہ" پر اپنی مشہور تقریر میں جو انھوں نے لڑائی
شروع ہونے کے وقت دی تھی۔ جب کہ ترک شریک جنگ
بھی نہیں ہوئے تھے۔ رسولِ اکرم روحی فداہ کا ذکر نہایت
حقارت سے کیا۔ اور قیصر جرمنی کا آپ سے مقابلہ کیا۔ ایسے
وزرائے سے جنھوں نے اُن کے مذہب کی انتہائی تحقیر کی تھی
ترک بھلا کیا امید کر سکتے تھے۔ بلقان کی جنگ شروع ہونے کے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

چند ہی ہفتے پیشتر ہز میجسٹی کی حکومت کے مشورہ اور ضمانت پر کامل پاشا نے فوج کا ایک بڑا حصہ منتشر کر دیا تھا۔ یہ تمام باتیں ابھی تازہ تھیں۔ ابھی تو اُس کاغذ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی جس پر جنگ طرابلس اور بلقان کا معاہدہ صلح لکھا گیا تھا۔ انگلستان پر سے ترکوں کا اعتبار اُٹھ جانا یہ کوئی غیر فطرتی اور بلا سبب نہ تھا۔ ان کا یہ اندیشہ بالکل بجا تھا۔ کہ کہیں روس کا پُرانا خواب قسطنطنیہ اور باسفورس پر قبضہ کرنیکا لڑائی کے بعد پورا نہ ہو جائے۔ ترک روس کے مقابلہ میں انگلستان کی امداد پر زیادہ بھروسہ نہیں کر سکتے تھے کہ یہ ترکوں کی قوتِ فیصلہ کی غلطی ہو کہ وہ لڑائی میں شریک ہوئے۔ لیکن یہ کہنا کہ ٹرکی کا جرمنی کی شرکت کرنا بالکل بے سبب تھا اس بات کو ظاہر کرتا ہو کہ ایسی رائے رکھنے والا اس زمانہ کے واقعات سے قطعی لاعلم ہو۔

ترکوں کا یہ اندیشہ کم نہیں ہو سکتا تھا جبکہ حالت اس درجہ تک پہونچ گئی تھی کہ برطانیہ نے ان کے دو بڑے جہازوں کو پکڑ لیا تھا اور یہ جہاز بھی یونانی بیڑے کے مخالف ترکوں کے لیے پشت پناہ تھے۔ ہمیں یقین ہو کہ انگریزوں کے اس فعل نے ترکوں کے فیصلہ پر بہت اثر ڈالا۔ ان کے جہازات کا لے لینا کیا زیادتی نہ تھی۔ اور یہ بات غور طلب ہو۔ کیا اتحادیوں نے بشمول روس ترکوں کو کوئی اطمینان دلایا تھا کہ ان کے مقبوضات برقرار رکھے جائیں گے؟

وزیر اعظم نے یہ سچ کہا ہو کہ ترکوں کے شریکِ جنگ ہونے سے پہلے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

بھی اتحادیوں میں ترکی کے متعلق کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس
سے ہماری بحث کا تصفیہ نہیں ہوتا۔ ہم اپنی بحث کی تائید میں مسٹر
ہمبر لڈ کاکس کو جو انگریزی سیاست کے ماہرین میں ایک نمایاں حیثیت
رکھتے ہیں پیش کرتے ہیں۔ ایڈنبرا ریویو میں اپنے ایک مضمون میں
انھوں نے لکھا ہے کہ ترکی حکومت نے اتحادیوں سے ضمانت چاہی
لیکن روسی حکومت نے کسی ضمانت کے دینے سے انکار کیا۔ اور یہ یاد
رکھنا چاہیے کہ ترکی حکومت کو روس کا بہت خوف تھا۔ اس رپورٹ
کے مطالبہ سے بھی جس کو امریکہ کے سابق سفیر پیرس مسٹر ای پینسر
پراٹ نے ۱۹۱۷ء میں امریکہ کے سکریٹری آف اسٹیٹ کو بھیجی تھی۔
یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اتحادیوں کے خلاف ترکی کی شرکت جنگ
کی ذمہ داری ٹرکی سے زیادہ اتحادیوں پر عائد ہوتی ہے۔ جب ترکی
ایک مرتبہ جنگ میں شریک ہوگئی تو یکایک بحر اسود کے دروازوں کا
اپنے ایک پرانے مددگار پر بند کر دینا کوئی جرم نہیں ہے اور اس کو
اس بنا پر سزا نہیں دی جاسکتی۔ اگرچہ اس کا بہت افسوس کیا جاتا ہے
کہ اتحادیوں کو بحر اسود میں جانیکا آزادانہ راستہ نہ دیا گیا لیکن جب
ہم ترکوں کو اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ کیوں انھوں نے
آزادانہ راستہ دینے سے انکار کیا تو ہم کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ
قانون بین الاقوام یا فلاں معاہدہ کی رو سے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا
جہاں تک ہم جانتے ہیں کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہے جس کی رو سے وہ

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ایسا کرنے کے پابند ہوں۔ وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ "اب ترکی کو شکست ہو گئی۔ اتحادیوں کا طرزِ عمل کیا ہو۔ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہی کہ اتحادی ایک خاص مقصد کے لیے شریک جنگ ہوئے تھے اور جس کا اُنھوں نے تمام دنیا میں اعلان کیا۔ یہی مقصد بعد میں پریسیڈنٹ ولسن کے چودہ اصولوں کی شکل میں نمایاں ہوا اس لیے سب سے بہتر یہ ہی کہ ترکی کے مقدمہ کا فیصلہ انہی چودہ اصولوں کے مطابق کرنا چاہیے بیشک ترکی کو شکست ہوئی اور اس لیے کچھ نہ کچھ اسے شکست کا خمیازہ اُٹھانا پڑیگا" جس کی لاٹھی اُس کی بھینس"، یعنی طاقت ہی کا دوسرا نام استحقاق ہی۔ یہہ ایک کلیہ ہی موجودہ تہذیب جس کے خلاف ادعا کرتی ہی لیکن وہ باوجود اس ادعا کے بدستور اثر پذیر رہیگا۔

درحقیقت گبن کے قول کے مطابق "جب تک کہ نوع انسان اپنے محسنوں سے زیادہ اپنے تباہ کرنیوالوں کی تحسین و آفرین کرتی رہے گی جنگی شوکت و عظمت کے حصول کی ہوس معزز ترین اشخاص کی خباثت کو ثابت کرتی رہے گی"۔ لیکن اس تیل اور کوئلہ کی تہذیب کے زمانہ میں بھی ہم امید کرسکتے ہیں کہ ہمارے افعال کا فیصلہ اخلاق اور نیک نیتی کے ایک مقررہ قاعدہ کے مطابق کیا جائیگا۔ اور جب لوگ محض نیک نیتی کے بھروسہ پر کسی مقصد کے حصول کے لیے امداد اور اعانت سے دریغ نہ کریں یہاں تک کہ ان کی مدد سے مقصد پورا

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ہو جائے۔ اس وقت وہ اور بھی زیادہ ہمدردی اور لحاظ کا
استحقاق رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندوستان
کے مسلمانوں نے ہز مجسٹی کے وزراء کے اعلانات اور وعدوں پر
پورا اعتماد کیا اور اس امید میں کہ وہ وعدے جو سنجیدگی کے ساتھ کیے
گئے تھے پورے کیے جائیں گے۔ وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ جنگ
کرنے کے لیے گئے۔ اب کامیاب ہو جانے کے بعد ان وعدوں
کی تاویلیں اور توجیہات کی جا رہی ہیں۔ افسوس!
اس قسم کے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس قسم کے حیلہ و حوالہ سے
خود انگلستان کی عزت پر حرف آتا ہے اور انگلستان کی توہین ہوتی ہے۔
ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ مجلس صلح نے ترکوں کے ساتھ وہی شرائط متعلق کی
ہیں جو جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ کیے گئے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ
ہم شام۔ عراق اور فلسطین کی حکمبرداری کا حال بھی سنتے ہیں اور
جو کچھ بھی کہا جائے مگر جرمن اور اسٹریا کے شرائط صلح میں ہم کہیں
حکمبرداری نہیں دیکھتے۔ اسٹریا میں مختلف صوبے آزاد کیے گئے اور
ان کو سیلف ڈیٹرمنیشن (اپنے لیے حکومت کا خود انتخاب کرنا) کا حق
دیا گیا برخلاف اس کے ٹرکی کے بھی چند صوبے آزاد کیے گئے اور
اُن کو عیسائیوں کے حکم برداری کے تحت میں رکھا گیا۔ جرمنی اور
آسٹریا سے گزر کر ٹرکی تک پہونچتے پہونچتے (سیلف ڈیٹرمنیشن) کے اصول
کے معنی بدل گئے۔ پولینڈ۔ لٹس۔ لتھونیا۔ رومینیا۔ یگیاٹس زکوسلوواکس

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اور جگو سلو واکس کے متعلق حکومت کے انتخاب کا حق خود ان اقوام کو دیکر سلیف ڈیٹرمی نیشن کے اصول کو پورا کیا گیا۔ لیکن ٹرکی کے مقابلہ میں شام کی حکومت کا حق انتخاب فرانس کو۔ عدالیہ کا اٹلی کو۔ سمرنا اور تھریس کا یونان کو۔ فلسطین اور عراق کا انگلستان کو۔ اور سلیشیا، اناطولیہ اور قسطنطنیہ کی حکومت کا حق انتخاب انجمن اقوام کو دیکر لفظ "سیلف" کا منشا پورا کیا گیا۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ عملی طور سے انجمن اقوام کے معنے انگلستان فرانس اور اٹلی کے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ترکی میں حق انتخاب حکومت صوبہ وار نہیں بدلتا۔ بلکہ مذہب کے مطابق اس میں تبدیلی ہوتی ہے۔ عیسائی آرمنیا کو آزادی ملنا چاہیئے۔ مگر مسلم عربوں کو صرف حکمرداری پر قناعت کرنا چاہیئے۔ وزیر اعظم نے دارالعوام میں "آئرش بل" پر جو تقریر کی ہے اس میں اصول حق انتخاب حکومت کے ایک نئے معنی بیان کیے ہیں۔ اس موقعہ پر وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ملک کے ہر ایک حصہ کو جو صدیوں سے مل جل کر کام کر رہا ہے ایک الگ جمہوریت قائم کرنے کا حق ہو کسی اصول کے استعمال کرنے میں اس تحدید کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ حالت ہو تو کیا ترک اس حق کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ وہ صدہا سال سے ٹرکی میں ہیں۔ ایک اور موقعہ پر وزیر اعظم ایک قدم اور آگے بڑھ گئے اور انھوں نے حق انتخاب حکومت" اور موصل کے تیل کے چشمے کو ایک کر دکھایا۔

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

تھریس اور سمرنا اور دوسرے حصوں کی یونانی[1] اور ارمنی آبادی کے اعداد کا الٹ پھیر اس قدر مضحکہ انگیز ہے کہ کوئی منصف ایماندار آدمی اس پر لحاظ کرنا بھی گوارا نہ کریگا۔ ایک سنکِ[2] منسوع نے ایک مرتبہ یہ بات کہی کہ خدا نے انسان کو زبان صداقت کے چھپانے کی غرض سے دی ہے نہ کہ اس کے ظاہر کرنے کو۔ ترک فطرتاً بردبار واقع ہوئے ہیں۔ ان کا تسامح اور تحمل اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ ضرب المثل ہے تمام تکلیفیں اور مصیبتیں جو ترکی میں پروٹسٹنٹ مشنوں کو برداشت کرنا پڑیں اُس کے بانی عیسائی (رومن کیتھولک) پادری۔ مختلف عیسائی جماعتیں اور مختلف العقائد عیسائی فرماتے ہیں:-

ارمنی زبان ارمنی مذہب ارمنی مدارس ترکی میں بالکل آزاد تھے۔ طرابزدن سے ارض روم جانیوالی سڑک پر جابجا عیسائی خانقاہیں بنی ہوئی ہیں مسٹر سڈنی وٹ مین لکھتے ہیں کہ "میں نے بیشمار ارمینیوں اُن کے پادریوں اور تمام اضلاع کے بشپوں سے گفتگو کی سب نے مجھے یقین دلایا کہ ان اضلاع میں کسی قسم کی چھیڑ اور زیادتی ہم پر نہیں کی گئی نہ کسی قسم کی تکلیف دی گئی۔ اگرچہ اطراف میں ایک انقلابی جماعتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ افان فلپس کہتا ہے کہ رومن کیتھولک عیسائی روئیں گے اور خوف سے تھر تھر کانپیں گے اگر وہ ترکی

[1] یونانی فلسفیوں کا ایک گروہ

[2] سنہ ۱۹۱۲ع کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مردم شماری قبل جنگ

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ہلال کے سایہ سے نکل کر روسی عقاب کی ماتحتی میں رہنے جائیں گے
عالی جناب جیڈ وسلوچ جو سینٹ جمیس کے دربار میں پہلے سروی
سفیر تھے۔ اب کہ سرویا نے اپنی تمناؤں کو جہاں تک کہ اُن کا
تعلق ترکی سے تھا حاصل کر لیا ہی صاف صاف اقرار کرتے ہیں کہ
سیاسی مفاد کی بنا پر ہم (اقوام ملقان) ترکوں کو بیرحم ایشیائی
ظالم یورپ کی تہذیب کے ناقابل کہتے تھے۔ اگر ہم تاریخ کو منصفانہ
نظر سے دیکھیں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ترک ایشیائی
ہونے سے زیادہ یورپین ہیں وہ بیرحم ظالم نہیں ہیں بلکہ ایک
ایسی قوم ہیں جو انصاف اور راستبازی کو پسند کرتے ہیں
جن میں بہت سی ایسی صفات اور خوبیاں ہیں جو اس کی مستحق
ہیں کہ صدق دل سے ان کا اقرار کیا جاوے اور ان کی عزت
کی جائے۔ بلاشبہ شرافت ترکوں کی سرشت میں ہی نہ صرف
یہ کہ وہ ایک شریف قوم ہیں بلکہ دماغی حیثیت سے بھی ذہین
اقوام میں ان کا شمار کیا جاسکتا ہی۔ ان کے اخلاق اور عادات
ایسے نہیں ہیں کہ ان سے نفرت کی جائے۔ حاجی خلیفہ کو بچ بیگ

حسب ذیل ہی
ولایت ادرنہ مسلم ۵۶۰۰۰ یونانی ۲۲۴۰۰۰۔ ارمنی ۱۹۰۰۰
ولایت سمرنا مسلم ۱۲۴۹۰۰۰ یونانی ۲۹۹۰۰۰۔ ارمنی ۲۰۰۰۰

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

سعدالدین اور اُن کے علاوہ اور بہت سے لائق لوگ ہیں جو ترک تھے۔" بجائے اس کے کہ ترکوں پر فنون لطیفہ یا علم ادب سے بے توجہی کا الزام عائد کیا جاوے حقیقت امر یہ ہی ہے کہ صفحۂ دنیا پر شاید ہی کوئی ایسی قوم ہوگی جس نے علوم عامہ کے حصول میں ترکوں سے زیادہ امتیاز پیدا کیا ہو۔ باب عالی کے ساتھ دول یورپ کا سلوک ہمیشہ یکساں طور پر خود غرضانہ رہا ہے۔ ترکوں کو کبھی بھی اصلاح حال کا موقع نہیں دیا گیا اور "نہ کبھی اُن کو گزشتہ صدی میں ایمانداری سے شکست دی گئی تھی"

باب پنجم

خاتمہ

کہا جاتا ہے کہ انگلستان نے اس لیے جنگ کی کہ جرمنی بلجیم کی غیر جانب داری کے بارے میں اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہا لیکن کیا یہی اصول انگلستان کی نسبت نہیں استعمال کیا جا سکتا جس نے

سلہ ٹاڈ یرینی ڈی لالٹریچر دس ٹیورس حصہ اوّل صفحہ ۴۔

ع لین پول کی تاریخ ترک

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

ترکی کے مستقبل کے بارے میں اطمینان دلایا اور وعدہ کیے ایشیا میں برطانوی قوت کو اس سے زیادہ نقصان پہونچانے والی اور کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ انگلستان کے الفاظ پر سے لوگوں کا اعتماد جاتا رہی انگلستان کے لیے یہ ایک مہلک شہرت ہی۔ سب سے اعلیٰ اصول یہ ہی کہ "لوگوں کو ہمیشہ سچائی اور راستبازی پر قائم رہنا چاہیے۔ چاہے آسمان بھی گر پڑے ؎ٰ" یہی اصول سچی عظمت کا جوہر ہی۔

کسی قوم کی جانچ اکثر اس کے لیڈروں کے افعال اور اعمال سے کی جاتی ہی۔ قوم کے بڑے بڑے لوگوں کے اقوال درحقیقت اس قوم کے خیالات کا عکس ہوتے ہیں اور ہم اس کے روسار اور سرداروں کے اعمال سے اس کل قوم کا اندازہ کرسکتے ہیں لیکن افسوس کہ قوموں کی کشمکش میں انسانیت کے اصول کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہی۔ اعلیٰ خیالات اور احساس عزت کو خاصکر موجودہ زمانہ میں کچھ دخل نہیں ہی۔ مادی فوائد کا سب سے پہلے لحاظ کیا جاتا ہی اور "تیل" اور "کوئلہ" کا لحاظ تمام بہترین خیالات ۔۔۔۔۔۔۔ کو نیچے ڈالدیتا ہی۔ بلاشبہ انگلستان اپنی مادی شوکت اور عظمت کے انتہائی عروج پر پہونچ گیا ہی۔ اپنے خطرناک دشمن جرمنی پر فتح پا کر مدہوش ہوگیا ہی۔ لیکن اس کے اندرونی اور بیرونی خطرے ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ انگلستان کے

ؔلہ تاریخ کی مصالحت صفحہ ۹

مدبرین ان نمایاں خطروں سے چشم پوشی نہیں کرسکتے۔ اس قسم
کے وسیع مسائل کا عالمانہ مطالعہ کرنے کے وقت ہم کو اخبارات
کی روزمرہ کے اس طرز تحریر کو جس میں وہ اس معاملہ کے روشن
پہلو دکھاتے ہیں احتیاط کے ساتھ نظر انداز کردینا چاہیئے۔
شکست خوردہ قوموں کے ساتھ جو شرائط صلح کی گئی ہیں اُن سے
دنیا میں پائیدار امن قائم نہیں رہ سکتا۔ علاوہ بریں جنگ کے نتائج
نے بھی دوسری اقوام میں انگلستان کے خلاف حسد پیدا کردیا ہے۔
یہاں تک کہ خود انگلستان کے حلیف بھی دل میں خوش نہیں ہیں۔
پھر امریکہ اور جاپان کی آنیوالی جنگ کی لپیٹ میں انگلستان کا آنا
یقینی ہے۔ جرمنی بدلہ لینے کے لیے دوسری جنگ کی تیاری کررہا ہے
بالشویک انگلستان کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں اور اس لیے
سب سے پہلے انگلستان کا قصہ پاک کردینا چاہتے ہیں۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ آنیوالی عالمگیر جنگ کا میدان ایشیا ہوگا انگلستان اس جنگ
میں اس سے زیادہ مہیب طریقہ سے مبتلا ہوگا جتنا وہ گزشتہ جنگ
جرمنی میں ہوا تھا۔ انگلستان کے پاس آیندہ جنگ کرنے کا کیا سامان ہے
کیا وہ اپنے متعدد دشمنوں سے بے چین ہندوستان اور مخالفِ اسلام کو
لیکر جنگ کریگا۔ اس کو ہندوستان اور اسلام کے ذرائع سے متمتع ہونے
کی ضرورت ہوگی بالخصوص اُس کے آدمیوں کی انگلستان کی مخالفت
میں جو طاقتیں بھی متحد ہوں دوست ٹرکی اور شکرگزار ہندوستان

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اس کے جواب کے لیے کافی ہوتی ترکوں کو عاجز کر دیا گیا ہی۔ ایرانی انتشار کی حالت میں ہیں۔ مصر۔ مراکش اور طرابلس یورپ کے زیر اثر ہو چکے ہیں۔ لیکن اسلام ابھی ایک زندہ قوت ہی وہ اب سو نہیں رہا ہی اور کوئی عقلمند سمجھدار لیڈر پیدا ہو جاوے تو وہ اب بھی لوبالہ اور بوروبیو کی طرح کامیابی حاصل کر سکتا ہی۔ کہا جاتا ہی کہ موجودہ امیر افغانستان نے اپنی نسبت یہ الفاظ کہے ہیں کہ "میں نے برطانوی حکومت کو لکھ دیا ہی کہ کوئی مسلمان بھی کسی حالت میں اس کو نہیں برداشت کر سکتا کہ مسئلہ خلافت میں کسی قسم کی بھی دست اندازی کی جاوے یا خلیفہ پر کسی قسم کی بھی نگرانی قائم کی جاوے اگر وہ مسئلہ خلافت میں افغانستان کی دوستی کا کچھ لحاظ نہیں کرتے۔ تو وہ سلطنت کے استحکام کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ امان اللہ اسلام کے راستہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے طیار رہے گا" اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ نے بھی وزیر ہند کو مسئلہ خلافت کے بارہ میں کچھ کم زوردار الفاظ میں نہیں لکھا تھا۔ کیا برطانوی حکومت ایسے وزنی اعلانات کو جو مسلمان روساء اُس کے دوست اور مددگاروں کی طرف سے ہوئے ہیں نظر انداز کر سکتی ہی۔ نجف اشرف اور کربلائے معلےٰ کے مجتہدین علماء نے فتوے دیے ہیں کہ ہر مسلمان پر یہ فرض ہی کہ وہ اسلام کی قطع و برید اور جزیرۃ العرب یا اُس کے کسی حصّہ کو غیر مسلم کے قبضہ میں جانے سے روکے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

چاہے حکمبرداری کی شکل ہیں یا دوسری شکل میں۔[۵] مقبوضہ عراق کے لوگوں نے بھی صاف صاف الفاظ میں یہ اعلان کردیا ہے کہ ہم صرف سلطان روم کو خلیفہ مانتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارا مذہب اسلام یا خلافت کی قطع برید کی اجازت نہیں دیتا۔[۶] ان پرزور صاف رایوں اور اعلانوں کی تحقیر نہیں کی جا سکتی۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ یقین ہوگیا ہے کہ یہ جنگ صلیبی تھی تو اس کا الزام خود وزیراعظم انگلستان پر ہے یہ یاد ہوگا کہ انھوں نے لارڈ النبائی کو ایسا ہیرو کہا جس نے وہ چیز حاصل کی جس کو تمام عیسائی دنیا صدیوں کی کوششوں کے باوجود بھی حاصل کرنے سے محروم رہی۔ ایک دوسرے وزیر مسٹر چرچل نے کہا ہے کہ یہ ترکوں کے خلاف ایک صلیبی جنگ تھی انگلستان اپنے آٹھ کروڑ رعایا کے جذبات اور احساسات سے زیادہ دنوں تک بے پروائی نہیں برت سکتا۔

کیا درحقیقت انگلستان نے اپنی مضبوط سیاسی قوت مدرکہ جو اس قدر مدت تک اس کی سپر رہی کھودی ہے۔ کیا اس کا احساس غزت بھی جاتا رہا ہے؟ مسٹر ولفرڈ اسکوون بلنٹ فرماتے ہیں "ہم ناکامیاب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اب ہم ایماندار منصف اور شریف نہیں رہے ہیں۔ یہ ہماری سخت محنت شدید احساس اور انتہائی غزت کی وجہ تھی کہ ہم دنیا میں اس مرتبہ کو پہونچے۔

[۵] مسلم اوٹ لک ۲۰ جون ۱۹۲۰ء [۶] "الظہور" جو بغداد سے شائع ہوتا ہے۔

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

اب یہ تمام باتیں ہم سے جا چکی ہیں اس لیے ہم اس کا قدرتی خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ایک صدی تک ہم دنیا میں بھلائی کرتے رہے اور ایک ہی صدی تک ہم برائی کریں گے۔ اس کے بعد دنیا ہمارا ذکر نہ سنیگی"

ہمکو معلوم ہو چکا ہے کہ خلافت ایک قدیم چیز ہے اور یہ اسلام کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے اس کو ناچیز نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہمارے حکمرانوں کو واقعات سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے۔ انھوں نے غیر اقوام کی ایک بڑی تعداد پر حکومت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے۔ اس لیے اُن کو اپنے ارادوں میں فیاضی برتنی چاہیئے۔ لوگوں کے جذبات بہ نسبت اُن کی فہم کے بہت جلد اثر پذیر ہو جاتے ہیں۔ تدبر کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کی قومی خصوصیات کا جس حالت میں بھی ہوں لحاظ رکھنا چاہیئے انگریز جو صرف اپنے ہی وجوہ اور دلائل پر عمل کرنے کے عادی ہیں وہ اس بات کو پوری طور پر نہیں سمجھ سکتے کہ کس خیال کا مشرقی دماغ پر کس قدر اثر پڑتا ہے۔ انگریزوں کی قومی صفت یہ ہے کہ وہ جلد کسی خیال سے متاثر نہیں ہوتے۔ نپولین نے خود اس کی شکایت کی ہے کہ یورپ کے سیاہیوں نے کبھی خیالی کے ذریعہ سے جوش پیدا کر دینا ہی حیثیت سے غیر ممکن ہے۔ نپولین نے جب مصر پر حملہ کیا۔ متعدد مرتبہ اپنی یہ خواہش ظاہر

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

کی کہ " کاش میں مشرق میں اور آگے بڑھتا اور اپنے سر پر پگڑی رکھ کر ایک نئی سلطنت قائم کرتا"۔ ہماری یہ امید بے جا نہ ہوگی۔ کہ انگریزوں کی موجودہ نسل نے مشرق کی سریع الفہمی اور قوت تخیلہ کے اثر کو اس سے زیادہ سمجھ لیا ہوگا۔ جتنا کہ نپولین نے ایک سو سال پہلے سمجھا تھا۔ ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ مادی عقیدہ جبر یہ کے ماننے والے مشرق کے سریع الحسی کے موثر عنصر کو فراموش نہ کریں گے۔ اگر انگلستان میں اسلام سے اتحاد عمل کا خیال پیدا ہو جائے اور انگلستان ہندوستان کو آزاد کر دے تو انگلستان کی آیندہ عظمت و شوکت یقینی ہے اور تاریخ میں اس وقت بھی اس کی یادگار باقی رہیگی جب کہ سلطنت اور شوکت فنا ہو چکی ہوگی۔ جرمن کا تنزل ایک اعلیٰ سبق سکھاتا ہے جس سے کہ اور سلطنتیں عبرت حاصل نہیں کرتیں وہ یہ ہے کہ اسلحہ اور دولت نہایت ہی کمزور ذریعہ حفاظت ہیں اور یہ کہ ایک قوم کو اگر وہ تمام دنیا بھی فتح کر لے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اگر ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی روحانیت کو کھو بیٹھے۔

تھریس اور سمرنا اس کے جائز مالکوں کو واپس دے دینا چاہیئے عراق۔ فلسطین اور شام کی حکمبرداری کا ذکر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر یہ ممالک خواہش کریں تو ان کو خلیفہ کی موثر ماتحتی میں حکومت خود اختیاری دینی چاہیئے۔ ترکی حکومت پر کوئی مالی اقتدار قائم رکھنا

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

چاہیئے خلاصہ یہ کہ ٹرکی کا جائز وجود قائم رکھا جائے - مگر افسوس
کہ سرکار برطانیہ کے کسی طرز عمل سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ان
مطالبات میں سے کوئی مطالبہ بھی پورا کریگی - واقعہ یہ ہی کہ وزیر
اعظم برطانیہ نے سیورس کے صلح نامہ کی سختی سے مخالفت کی ہی
حال ہی میں ٹائمس نے یہ زہر اگلا ہی کہ ٹرکی ہندوستان
یا کسی دوسرے ملک کے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کیا گیا تھا اور آگے
چلکر وہ یہ بھی کہتا ہی کہ وزیر اعظم نے تھریس قسطنطنیہ اور
دیگر مقامات کے متعلق جہاں ترک کثرت سے آباد ہیں جو کچھ کہا
ہی وہ ٹرکی کے لیے ایک قسم کے اُن شرائط کی اطلاع تھی -
جس پر وہ اس وقت صلح کرسکتی تھی مگر یہ شرائط بے اثر ہوگئیں
جبکہ اُن کو نہیں مانا گیا - یہ واقعات کو ایک غلط پیرایہ میں ظاہر
کرنا ہی - مسٹر لائڈ جارج خود اس کے جوابدہ ہیں - ۲۶ر فروری
۱۹۲۰ء کو دارالعوام میں وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں فرمایا :-
"میں اب اُس وعدہ کا ذکر کرتا ہوں جو جنوری ۱۹۱۸ء
میں کیا گیا تھا - سب فریقین کے مطالبات کا لحاظ کرکے وہ وعدہ
کیا گیا تھا اور مسٹر اسکویتھ اور لارڈ گرے نے بھی اس کو
تسلیم کیا - اس بیان میں قومی نقطۂ خیال سے جنگی مقاصد کی
تشریح کرنا منظور تھی اور یہ ایک ایسا بیان تھا جس سے سب
فریقین کو متفق ہونا چاہیئے - چنانچہ وہ متفق ہوگئے - واقعی

یہ کوئی تقریر نہیں تھی بلکہ یہ ایک بیان تھا جس کو نہایت احتیاط کے ساتھ پہلے سے مرتب کرلیا گیا تھا"۔ وزیراعظم نے اس تقریر کے دوران میں جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا صریح طور پر یہ کہا ہے کہ اس بیان میں ٹرکی کے سامنے شرائط کو پیش نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ وہ سلطنت برطانیہ کے کل مسلمانوں کے ساتھ ان الفاظ میں ایک سنجیدہ وعدہ تھا" ہم نے ایک پختہ وعدہ کیا ہے۔ اور اُنھوں نے اس کو قبول کرلیا"۔ اس میں اُنھوں نے اضافہ کیا تھا "اُن میں یہ سُن کر کہ ہم اس معاہدہ کے شرائط پر کاربند نہیں ہوں گے ایک قسم کی بےچینی پیدا ہوگئی ہے" یہ بھی کہا کہ "یہ اعلان نہایت سوچ سمجھ کر نہایت غور کے بعد کیا گیا تھا۔ جلسۂ وزراء نے اس کا مسوّدہ تیار کیا تھا"

روما کی بت پرست سلطنتوں نے اُن لاطینی ممالک کو اپنے زیراثر کیا جو کہ وفادار رہے تھے اور ہنی بال کے ساتھ لڑے تھے اور ان کو اٹلی سے نکال دیا تھا۔ برطانیہ اعظم نے اپنے چکنے چپڑے الفاظ اور سنجیدہ وعدوں سے ہندوستانی رعایا کو اس بات کی ترغیب دی تھی کہ وہ لڑیں اور اُن کے دشمن کو پسپا کریں لیکن جب کامیابی ہوگئی تو ان کے خیالات اور ان کی التجاؤں کو نظرانداز کردیا گیا۔ خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے جذبات کی نہایت اہانت کی جاتی ہے۔ باوجودیکہ ترکی شرائط کا غیر منصفانہ

ہونا لارڈ چیمسفورڈ نے ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے:-
کوئی شخص یہاں تک کہ وہ مسلمان بھی نہ ہو مجھ سے زیادہ ترکی عہدنامے کے شرائط کو ناپسند نہ کریگا"۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گورنمنٹ نے ترکی شرائط کے جواز میں جو بیان شائع کیا ہے وہ اس سے کس درجہ مختلف ہے۔ یہ ہے ہماری گورنمنٹ کے رویہ کی یکرنگی۔

ہماری رائے میں دول یورپ سے کسی انصاف یا اچھے سلوک کی امید رکھنا عبث ہے۔ جس چیز کا ترقی کے آثار سمجھکر خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ اس کو بے چینی سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ الفاظ جو مغربی زبان سے مشرق میں پہونچتے ہیں اُن کی اہمیت جاتی رہتی اور معنی مختلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یورپ میں جس چیز کو "حب وطن" کہا جاتا ہے ایشیا میں اُس کا نام "مذہبی دیوانگی" رکھا گیا ہے۔
شہنشاہیت کا نام یورپ میں نہایت مقدس معنی رکھتا ہے۔ اس کے تحت میں کمزور قوموں کی آزادی سلب کرنے کے لیے صلیبی لڑائیوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے ہمارے کانوں میں بلند میناروں سے تہذیب پھیلانے والے مشن کی صدا ابھی آتی ہے۔ جو تہذیب باآواز دہل ہتھیاروں کی جھنکاروں کے ساتھ ہم تک پہونچائی جاتی ہے۔ وہ پتلونوں اور چھجے دار ٹوپیوں۔ شراب نوشی زنا امراض اور بچہ کشی کی صورت

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

میں ہوتی ہی اور یہاں پہونچکر اُن بے قاعدگیوں کی قلعی کھُل جاتی ہے جس سے تہذیب جدید کا مطالعہ مع اس کے مکر و فریب کی معجون مرکب کے ایک دلچسپ چیز بن جاتا ہی،" (امیر علی) حصول انصاف کے لیے ہمیں اپنی کوششوں پر جو متحد ارادے اور صاف دلی پر مبنی ہوں بھروسہ کرنا چاہیے۔ اسلام اور حقیقتاً کل ایشیا کو اس واقعہ کا احساس کرنا چاہیے اور یہہ احساس جس قدر جلد ہو اُتنا ہی بہتر ہے مادہ پرست یورپ کی نگاہیں ایشیا کی عمدہ چیزوں پر لگی ہوئی ہیں تیل اور کوئلے کی تہذیب کے بنانے والے مشرقی روحانی تہذیب کی قدر نہیں کر سکتے۔

حقیقت میں وہ اسلام اور ایشیا کی روحانیت ہی پر حملہ کر رہے ہیں۔ مغرب کے لوگوں میں پان اسلامزم (اتحاد اسلام) کے اندیشہ اور سیاہ خطرہ اور اسی قسم کے دیگر خدشات کا چرچا ہی۔ لیکن تیل اور کوئلہ کے خطرے کے مقابلہ میں جو ایشیا کو دھمکی دی رہا ہے یہ خطرات کیا چیز ہیں؟ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے جو ہمیشہ سے زیادہ تباہ کن اور خطرناک ہی۔ ایشیا بلاشبہ اپنے تمام ذرائع کو جو اس کے امکان میں ہیں کام میں لائیگا اور ہر قسم کی امداد جو اُسے مل سکتی ہی ملک کے ہر گوشہ سے طلب کریگا۔

مذہبی جذبات ضرور کام میں لائے جائینگے۔ اور اسی طرح لٹیروں کو روکنے کے لیے قدامت پسندی کا جوش۔ غیر ملکی عادات

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

وطریق کے خلاف تعصب اور تمامی دیگر طاقتیں جو میسر آسکیں کام میں لائی جائیں گی۔

ایشیا کی نجات جیسا کہ انسانوں کے بڑے لیڈر اور سوچنے والے مہاتما گاندھی محسوس کرتے ہیں عام طور سے ہندوستان پر منحصر ہے۔ بلاشبہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس ملک میں واقعات کی جو رفتار ہو گی وہ تمام دوسری چیزوں سے زیادہ اسلام اور ایشیا کی قسمت کا مستقبل قریب میں فیصلہ کرنیوالی ہو گی۔ ایک مرتبہ روحانیت کو پھر فتح حاصل ہو گی اور مادیت پسپا ہو جائے گی۔ شب کا تاریک ترین پردہ ہر چیز پر غالب آ جاتا ہے لیکن دن کے صبح صادق کی روشنی اس کی تاریکی کو معدوم کر دیتی ہے۔

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔

خلافت اور انگلستان

کے متعلق مشاہیر کی رایوں کا خلاصہ

مولانا محمد علی فرماتے ہیں:۔ خلافت کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت تھی اس کمی کو ڈاکٹر سید محمود نے نہایت خوبی سے پورا کر دیا۔

مولانا ابو الکلام آزاد مستند انگریزی تحریرات کی سخت کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر سید محمود کے رسالے کی بر وقت اشاعت اس کمی کو نہایت عمدہ طور پر پورا کردیگی نہایت قابلیت کے ساتھ خلافت کی تاریخ پر نظر ڈالی ہے۔

مولانا شوکت علی یہ کتاب ہر پہلو سے قابلِ قدر ہے۔ یہ ایک نادر تصنیف ہے۔ اس کا ترجمہ ہندوستان کی ہر زبان میں ہونا چاہیئے۔

پرنسپل نیشنل مسلم یونیورسٹی ڈھائی سو کا پیاں مجھے بھیج دو۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے نیشنل مسلم یونیورسٹی کے نصاب میں داخل کر لوں۔

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri

مسٹر مظہر الحق پٹنہ	اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی نہایت قابلانہ و منصفانہ طور پر اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے
مسٹر پکتھال اڈیٹر بمبی کرانیکل	یہ ایک نادر اور بیش بہا تصنیف ہے
مسٹر تصدق احمد خاں شروانی سکرٹری تبلیغ مسلم یونیورسٹی	مسئلہ خلافت پر نہایت قابلانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔
پروفیسر سید محمد علی شاہ سندھ	خلافت کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ بہت کچھ اس سے رفع ہو جائیں گی۔
خواجہ حسن نظامی	ترتیب کی نفاست اور سلسلہ تاریخ کا ربط اور خاص خاص پہلو ایسے ہیں جن کی ہر جگہ تعریف کی جائے گی۔
ڈاکٹر سیف الدین کچلو	اس میں بہت سے ایسے نئے تاریخی واقعات ہیں جن کا ابتک لوگوں کو عام طور پر علم نہ تھا۔
مولانا رشید احمد پروفیسر تبلیغ یونیورسٹی علیگڈہ	اس موضوع پر بہترین کتاب ہے جو میں نے دیکھی ہے
مولانا اسلم جیراجپوری	اس کتاب سے مسلمان اس مسئلہ کی حیثیت سے اچھی طرح واقف ہو جائینگے

CC-0 Pulwama Collection. Digitized by eGangotri